علمی، ادبی، اصلاحی، تحقیقی، اسلامی صحافت کا عظیم شاہکار

ماہنامہ
ندائے اجود
لاہور

جلد چہارم ـــــ شمارہ 9 مارچ 2012ء

www.nidae-ajwad.tk

تمام مسائل کا حل .... خوفِ خدا

چیف ایڈیٹر کے قلم سے

حرم الحرام

دعا حصولِ رحمت کا یقینی منشور

ہجری سال کی ابتدا و اہمیت

یارتا ہوا... امریکہ

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

تنویر ظہور

جنت کے گلزار ہیں ان کی قسمت میں
جن کو حاصل ہیں فیضان محمد ﷺ کے
رب نے رُتبہ بخشا ہے یہ آقا ﷺ کو
نوکر چاکر ہیں ذیشان محمد ﷺ کے
پیار محبت عشق و وفا کی باتیں ہیں
سارے عمل اور سب فرمان محمد ﷺ کے
لاتے ہیں طوفان اُسے خود ساحل پر
جس کشتی میں ہوں مہمان محمد ﷺ کے
چاند ستارے، کلیاں، خوشبو، پُروا، پھول
پڑھیں قصیدے ہر اک آن محمد ﷺ کے
دنیا کی تاریخ گواہی دیتی ہے
قسمت والے ہیں دربان محمد ﷺ کے
خوف زدہ ہوں کیسے وہ تنویر بھلا
جن پر جاری ہیں احسان محمد ﷺ کے

حمدِ باری تعالیٰ

(نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ)

حمد باری مری زبان پر ہے
وجد طاری مری زبان پر ہے
دم بدم لَآ اِلٰـــــہَ اِلَّا اللّٰـــــہ
ذکر جاری مری زبان پر ہے
ہے تصور میں روضۂ اطہر
نعت پیاری مری زبان پر ہے
نعت گوئی مرا شعار ہوئی
کس نے واری مری زبان پر ہے؟
ذکر پیاروں کا چار یارؓوں کا
باری باری مری زبان پر ہے
حرف مطلب ادا نہیں ہوتا
عرض بھاری مری زبان پر ہے
صبر جانکاہ میرے دل میں ہے
شکر باری مری زباں پر ہے
شب کا پچھلا پہر ہے، اور نفیسؔ
آہ و زاری مری زباں پر ہے

فہرست مضامین..... برائے مارچ 2012ء

نمبر شمار	نام مضمون	مصنف	صفحہ نمبر	کل صفحات	کمپوزر
1	اداریہ.....	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	12	3	
2	درس قرآن	ماخوذ از تفسیر ابن کثیر	15	3	
3	درس حدیث	ادارہ	18	3	
4	حالات زندگی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ	ادارہ	21	3	
	تقابل ادیان	مولانا یوسف خان صاحب	24	3	
5	مطالعہ الفاظ قرآنی	نوید اسلام صدیقی	27	3	
6	شرعی مسائل اور ان کا حل	ادارہ	30	3	
7	کہے فقیر.....دعا حصول رحمت کا ایک نکاتی منشور	ڈاکٹر محمد اظہر	33	5	
8	پکا ایمان	حبیب اشرف صبوحی	38	4	
9	سود قرآن کی نظر میں	مشتاق احمد ورک	42	2	
10	ہمیں آپ پر فخر ہے	محمد متین خالد	44	4	
11	ہجری سال کی ابتدا و اہمیت	مولانا محمد اقبال شاکر	48	2	
12	مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ	محمد اقبال انجم	50	2	
13	حجاب	بنت حوا	52	4	
14	بارتا ہوا امریکہ	عرفان صدیقی	56	3	
15	نئی ٹیکنالوجی کے لڑکیوں پر اثرات	ام حبیبہ	59	2	
16	مجھے بیٹا چاہیے بس!	سلیم رؤف	61	2	
17	یہی اہل محبت آج بھی درد آشنا ٹھہرے!		63	3	
18	تحفہ و یادداشت	عبدالسمیع	66	2	
19	مولانائے روم	محمد سرور چیمہ	68	1	
20	شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات	آصف سلطان سلوترا	69	4	
21	ویلنٹائن ڈے کیا ہے	ایاز شیخ	73	4	
	بچوں کا ندائے اجود	حافظ جواد اجود	77	2	
22	عالم اخبار	نوید اسلام صدیقی	79	2	
23	اشرفیہ ایجوکیشنل (81) ایپل سکول 82) عمر ایسوسی ایٹس 83	خوشخبری اشرفیہ سکول 87 وحاب انٹر 84	صیانۃ المسلمین 85	ہمدرد 87	

اداریہ

تمام مسائل کا حل خوفِ خدا

آج کل ملک کے طول وعرض میں جو نعرہ بلند ہے وہ ہے عدلیہ کی آزادی اور کرپشن کا خاتمہ، ہر وہ سیاستدان جو اقتدار سے محروم ہے اس کا یہی ایک رونا پیٹنا ہے کہ موجودہ حکومت نے بے انتہا کرپشن کر کے ملک کا دیوالیہ نکال دیا اور میڈیا کے نامور TV اینکر پرسن کی اداکاریاں اور فنکاریاں بھی کرپشن کے خاتمہ کے اردگرد گھوم رہی ہیں اس کے باوجود بھی ایک اندازے کے مطابق وطن عزیز میں گزشتہ چار سال میں آٹھ ہزار پانچ سو ارب روپے کی کرپشن کی گئی اور دوسری طرف عوام پر مہنگائی اور بے روزگاری کی وجہ سے زندگی تنگ کر دی گئی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً گیارہ کروڑ افراد کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔

5 فروری کے روزنامہ جنگ میں ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس کے مطابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے دور حکومت کے دوران پاکستان کو ناقابل یقین حد تک مالی نقصان ہوا اور کرپشن، ٹیکس چوری اور خراب طرز حکمرانی کی وجہ سے ملک کو آٹھ ہزار پانچ سو ارب روپے کا نقصان ہوا رپورٹ میں بتایا گیا 2008 میں 390 ارب 2009 میں 450 ارب 2010 میں 825 ارب اور 2011 میں 1100 ارب روپے کی کرپشن کی گئی حالانکہ پاکستان کو غیر ملکی امداد کی مد میں ایک پائی کی بھی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کرپشن پر مؤثر انداز میں قابو پایا جائے اور اچھی طرز حکمرانی کو یقینی بنایا جا سکے۔

دوسری طرف نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اربوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں 30 جون 2011 تک ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگایا ہے جو 62 کھرب 10 ارب روپے بنتا ہے۔ تاہم رواں مالی سال کے دوران صرف سات ماہ کے اندر یہ نقصانات بڑھ کر 70 کھرب 20 ارب روپے ہو چکے ہیں۔ جبکہ بیرونی امداد مجموعی طور پر صرف 9 کھرب 90 ارب روپے بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی سالمیت داؤ پر لگانے، ملک میں دہشت گردی کو دعوت دینے، 35 ہزار لوگوں کو بشمول فوجیوں اور دیگر اہلکاروں کی قربانی دینے کے علاوہ پاکستان کو مزید 70 کھرب 20 ارب روپے کا نقصان ہوا اور بدلے میں صرف پاکستان کو ڈرون حملوں کے تحفے دیئے گئے۔ یہ چند تلخ حقائق

والدین، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے نیک سلوک کرو۔ (القرآن)

اور وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ملک تباہی کے دہانے پہنچا ہوا ہے۔

جہاں تک عدلیہ کی آزادی کی بات ہے تو اس حد تک تو یہ خوش آئین اور قابل اطمینان ہے کہ موجودہ عدلیہ کے فاضل جج صاحبان ایک اچھی سمت جا رہے ہیں اور ملکی سطح پر ہر اہم ایشو کا از خود نوٹس لے کر مقدمات کی سماعت میں انصاف کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور خاص طور پر لاپتہ افراد کے کیس کی سماعت میں فاضل جج صاحبان نے جو ریمارکس دیے وہ انتہائی حوصلہ افزا ہیں اور خاص طور پر جب لاپتہ 7 افراد کو خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے عدالت کے روبرو پیش کیا تو ان 7 افراد کی ماورائے آئین بے انتہا تشدد سے اس وقت جو حالت زار تھی اسے دیکھ کر چیف جسٹس نے کہا ان کی حالت ابوغریب جیل میں امریکی فوجیوں کے مظالم کا شکار قیدیوں جیسی ہے اور چیف جسٹس کو کہنا پڑا کہ قیدیوں کو دیکھ کر مجھے اللہ سے شرم آ رہی ہے۔

اندھیر نگری چوپٹ راج: ستم ظریفی تو ملاحظہ کیجیے کہ یہ کل گیارہ افراد تھے جن کو عدلیہ نے بھی دہشت گردی کے الزام سے بری کر کے رہائی کا حکم دے دیا تھا اس کے باوجود ایجنسیوں نے ان کو حبس بے جا میں رکھا اور ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے رہے۔ ایجنسیوں کے بے پناہ تشدد سے گیارہ میں سے چار افراد دم توڑ گئے اور باقی سات بھی ہڈیوں کا ڈھانچہ اور زندہ لاشوں کی تصویر بنے دکھائی دے رہے تھے۔ ان گیارہ افراد میں سے تین سگے بھائی بھی شامل تھے جن کا قصور صرف اتنا تھا کہ اردو بازار میں ایک اشاعتی ادارہ چلا رہے تھے اور انہوں نے فورکلر تجویدی قرآن پاک شائع کیا اور یہ نسخہ دینی مدارس میں بہت مقبول ہوا۔ ۲۰۰۷ میں لال مسجد آپریشن کے دوران سیکیورٹی فورسز کو قرآن مجید کے یہ نسخے ملے جن پر ان بھائیوں کے نام اور ایڈریس موجود تھے اس جرم (اشاعت قرآن) کی پاداش میں خفیہ اداروں نے ان بھائیوں کو اٹھا کر غائب کر دیا ان میں سے ایک بھائی عبدالصبور ایجنسیوں کی حراست کے دوران ہی فوت ہو گیا۔ جب بوڑھی ماں روحیفہ بی بی کو ایک بیٹے کے انتقال کی خبر ملی تو وہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور چل بسی۔ یقینی طور پر پاکستان میں یہ ایک سنگین مسئلہ ہے کہ بے گناہ پاکستانیوں کو معمولی شبہ پر خفیہ اداروں کے اہلکار اٹھا کر غائب کر دیتے ہیں پھر ان کے ورثا دن رات ان کو ڈھونڈنے کے لیے دربدر پھرتے ہیں مگر ان کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

تو قارئین کرام! کرپشن ہو یا ماورائے آئین اقدامات یا ان جیسے بے شمار مسائل جن کا ہم پاکستانی آئے روز شکار ہوتے رہتے ہیں، ان سب کی بنیادی وجہ خدا خوفی اور صلہ رحمی کا فقدان ہے اگر ہمارے دلوں میں اللہ رب العزت کا خوف موجزن ہو اور یہ احساس ہو کہ کل اللہ جل شانہ کی عدالت میں ہم نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی تو وہ بھی اس کے سامنے آئے گی اور جس نے ذرہ برابر برائی کی تو وہ بھی اس کے سامنے آئے گی۔ ہمارے تمام افعال ہمارے نامہ اعمال میں درج ہو رہے ہیں اور روز قیامت ان کا

ناحق طریقے پر اپنے مالوں کو نہ کھاؤ۔ (القرآن)

حساب دینا ہوگا اور اس عدالت میں نہ تو رشوت چلے گی نہ سفارش، تو اگر ملک کا پیسہ لوٹنے والے اور دوسروں پر ظلم ڈھانے والے ایک لمحہ کے لیے سوچیں کہ کل ہم سب خدا کے دربار میں حاضر ہو کر اس لوٹ مار اور مظالم کا کیا جواب دیں گے۔ اپنے رب کو کیا منہ دیکھائیں گے کہیں ہماری ناجائز آمدن یا لوٹ مار یا لوگوں کے ساتھ کی جانے والی زیادتیاں ہمیں جہنم کا ایندھن بننے کے حقدار نہ بنادیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک اور پیاس سے مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ میں حق تعالیٰ کو کیا جواب دونگا؟ یہ وہ خوف خدا تھا جس کی بدولت حضرت عمر فاروقؓ کا دور حکومت ایک مثالی اور عدل وانصاف کا درخشاں باب تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیوں ذاتی کام کی وجہ سے بیت المال کے پیسوں سے جلنے والے چراغ کو بجھا دیا تھا صرف اور صرف خدا کی ذات کا خوف ان کے دل میں رچا بسا تھا۔

جی ہاں قارئین کرام! یہ صرف خدا خوفی تھی، جس نے ان عادل حکمرانوں کو ظلم کرنے حکومت کے پیسہ لوٹنے اور ناجائز اقدامات سے باز رکھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف امن وسکون، عدل و انصاف، اخوت اور رواداری کا دور دورہ تھا۔ آج ہم عوام ہوں یا حکمران، جج ہوں یا وکلاء، پولیس ہو یا فوج! انتظامیہ ہو یا بیوروکریسی، پارلیمنٹ ہو یا سینٹ غرض کسی بھی شعبہ کا کوئی بھی فرد ہو سب کے سب خوف خدا کو دلوں سے نکال بیٹھے ہیں۔ رب کے حضور حاضری اور نیکی، بدی کے حساب کو یکسر فراموش کر چکے ہیں جس کی وجہ سے ہر جگہ لوٹ مار ہے، ظلم کی داستانیں بکھری پڑی ہیں، رشوت کا بازار گرم ہے، جھوٹ اور منافقت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، فحاشی اور عریانی کا سیل رواں ہے۔ امن وسکون غارت ہے۔ اللہ رب العزت نے واضح طور پر قرآن مجید میں اعلان فرمادیا ہے۔

''جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا تو بے شک اس پر زندگی تنگ ہو جائے گی''

آج ہم من حیث القوم تنگی معاش کا شکار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فلاں سیاستدان ہمارا مسیحا ہے وہ آئے گا تو ہمارے ملک میں دودھ کی نہریں بہنے لگیں گی۔ فلاں سیاستدان عدل وانصاف کا پیکر ہے اگر اس کو ملک چلانے کا موقع مل جائے تو دور فاروقی کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ تو اچھی طرح سمجھ لیجیے یہ صرف ہماری خام خیالی اور خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں جب تک ہمارے دل خوف خدا سے خالی رہیں گے تو ہمارے حالات کبھی بھی نہیں بدل سکتے۔ میری عوام، حکمران اور تمام شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو دعوت فکر ہے کہ ہوش کے ناخن لیں، اپنی اخروی زندگی کو بھی سامنے رکھیں، اللہ کے خوف کو دلوں میں زندہ کریں، اگر ہم سب کے دلوں میں رب کا خوف بیٹھ گیا تو ہمارے مسائل از خود ختم ہو جائیں گے بلکہ میں یوں کہوں گا کہ مسائل جنم ہی نہیں لیں گے۔

دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو ایمانی نور سے منور فرمائے آمین۔

(الاسلام) ..... [illegible]

تقدیر الٰہی کو کوئی چیز نہیں بدلتی مگر دعا اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی مگر نیکی۔ (حدیث)

درس قرآن

ماخوذ از تفسیر ابن کثیر

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا، (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

غیر ضروری اور زیادہ سوالات باعث ہلاکت وتباہی ہیں:

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو، یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے جیسے۔ ارشاد ہے (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ) اے ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسی پوچھ گچھ جاری رکھو گے تو یہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص پر ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال

کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، تو کسی نے کہا حضور (ﷺ) ہر سال آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر سال نہیں۔ لیکن اگر میں ہاں کہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو نہ بجالا سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور ﷺ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ماواقف شخص آجائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں میں کوئی سوال حضور ﷺ سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گزر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور ﷺ سے سوال کر بیٹھے پھر ہم بھی سن لیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں، انہوں نے حضور ﷺ سے صرف بارہ مسائل ہی پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن میں مذکور ہیں، جیسے شراب وغیرہ کا سوال، حرمت والے مہینوں کی بابت سوال، قیموں کی بابت سوال وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر ''ام'' یا تو ''بل'' کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے، یہ حکم مومن کافر سب کو ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے (یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ) اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے انہوں نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند آواز سے ہلاک کر دیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجیے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ ﷺ کو مان لیں، اس پر یہ آیت اتری۔

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا تھا۔

سنی سنائی بات دیکھی ہوئی چیز کے برابر نہیں ہوتی

آپ ﷺ نے سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں اے اللہ! نہیں، ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا سنو بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا اب یا تو دنیاوی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی کو منظور کرے۔ لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا) یعنی جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گزرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے، گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے۔ اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ نہیں تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو، باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہوتو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونے والا ہی تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قریش نے حضور ﷺ سے کہا اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لیکن مائدہ (آسمانی دسترخوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا، اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ مراد یہ کہ تکبر عناد سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت وضلالت میں گر جاتا ہے۔ اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی، جیسے اور جگہ ہے۔ (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا) کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

فالج وعرق النساء کے درد کے لیے

فالج زدہ آدمی ۲۱ روز تک ۷ مرتبہ یَامُحْیِیُ پڑھے اور عرق النساء کے درد کے لیے ۷ روز تک ۷ مرتبہ پڑھ کر دم کرے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (ابوداؤد)

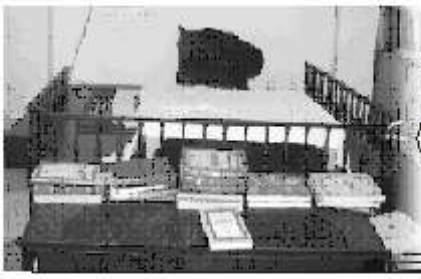

درسِ حدیث

ماخوذ: معارف الحدیث

خوشحالی کے لیے دُعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ کا جواب:

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰی اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَايَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِیْ هٰذَا اَنْتَ يَاابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِیْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ.

.....(رواہ البخاری و مسلم).....

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چٹائی پر آپ ﷺ لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ ﷺ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطابؓ! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کیے گئے ہیں اور اس لیے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضور ﷺ کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا کا عیش ہو

اور ہمارے لیے آخرت کا عیش۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل دُکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں اور چونکہ حضور ﷺ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ ﷺ اپنے لیے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اس لیے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لیے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ ﷺ کی دعا سے آپ ﷺ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بے چاروں کو کچھ نہیں ملتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں ان کے عیش و آرام اور ان کی دولت مندی کو دیکھ کر اس پر للچانا اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہیے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔

میں اس دنیا میں اُس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کے لیے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو:

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ اگر حضور ﷺ فرمائیں تو ہم حضرت کے لیے بستر کا انتظام کریں اور کچھ بنائیں (یعنی آپ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لیے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اس کو اپنی جگہ چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا

حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لیے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اس کا حال اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا اور اس کے لیے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کارِ حماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کے لیے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

دولت اگر صلاح وتقوے کے ساتھ ہو، تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے:

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زُہد کی فضیلت میں گزر چکی ہیں، اگرچہ ان کی تشریح میں جابجا اشارہ کیا جا چکا ہے کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت ﷺ بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر اس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا اور دل بہت خوش ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (الحمدللہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہے یا مفید) تو آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اس کے احکام کی پابندی کرے) اس کے لیے مال داری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ (جس کا شکر واجب ہے)۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆.....☆.....☆

توکل: صرف کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔ توکل کی دو قسمیں ہیں۔ علماً اور عملاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی اور مدبر حقیقی حق جل شانہٗ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے۔ یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے۔ دوسری قسم توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے۔

پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اسباب دینیہ (۲) اسباب دنیویہ

اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کو ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں۔ اگر لغتاً توکل کہا جائے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو تو نفع کی دو قسمیں ہیں۔ حلال یا حرام۔ اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے۔

اسباب۔ حلیہ یعنی جن پر وہ نفع عادتاً ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا، پانی کے بعد پیاس گم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جائے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالب نفع مرتب ہو جائے مگر بار بار تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری اور مزدوری کے بعد رزق ملنا۔ ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لیے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لیے جائز ہے۔ بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لیے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی موکد ہے۔

(۱) یقینی (۲) ظنی (۳) وہمی

اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول امل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کے لیے بھلائی چاہتے ہیں تو ان میں نرمی ڈال دیتے ہیں

حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہٗ بھی مسئلہ توکل کو بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''توکل کے یہ معنی ہیں کہ اسباب کو جمع کر کے نظر اللہ تعالیٰ پر رکھے۔ اسباب کی حقیقت ریل کی جھنڈی کی طرح ہے کہ سبز جھنڈی علامت ہے ریل کے چلنے کی اور سرخ جھنڈی علامت ہے ریل کے ٹھہرنے کی، مگر ان جھنڈیوں میں ذاتی قوت کوئی نہیں۔ قوت تو انجن یا ڈرائیور میں ہے کہ روکے یا نہ روکے۔

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے فرمایا:

''حضرت تھانویؒ نے خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے ان کے نوجوان صاحبزادہ کے انتقال پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ تعویذ بنا کر رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر تصرف جو حق تعالیٰ کسی مسلمان میں فرمائیں گو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو مسلمان کے ذمہ یقین کرنا فرض ہے کہ اس میں میرا نفع ہے۔''

ایک مرتبہ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ''الاعلی اللہ رزقھا'' فرمایا: ''الا علی اللہ الرزق'' نہیں فرمایا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اور ''الاعلیٰ اللہ رزقھا'' کا مطلب کہ رزق اس کا جو اس کے لیے مقدر ہے۔ تو اب مفہوم یہ ہوا کہ جو اس کا مقدر رزق ہے چاہے کم ہو یا زیادہ وہ اس کو ضرور مل کر رہے گا۔''

خشوع: خشوع کیا ہے؟ کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کوئی غیر اللہ کا خیال قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا خشوع ہے۔ خشوع لغتاً مطلق سکون کو کہتے ہیں اور شرعاً سکون جوارح کو جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جس کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح قوی شخص اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ ہونے دے، وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو کسی درد میں مبتلا ہے غلبہ درد کے وقت اس پر قادر نہیں۔ جب درد اٹھے گا بے چین ہو کر پیچ و تاب کھائے گا اس لیے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا، البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہوگا۔ اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بقدر قدرت ہوگی، مثلاً جو شخص تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو وہ حرکات فکریہ کے کلی انقطاع پر قادر ہے اس لیے وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو تشویش کے اسباب میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں اس لیے وہ اس درجہ کا مکلف ہی نہ ہوگا البتہ جتنا وقت

تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب نہ ہو، اس وقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ (بوادرالنوادر)

اب ارادہ میں خشوع کیسے پیدا کیا جائے اس کا طریقہ مولانا تھانویؒ نے یہ بتایا کہ ''خشوع کے لیے عمل کی ابتدا میں توجہ کافی ہے، ہر ہر لفظ پر ضروری نہیں۔ مثلاً قرآن حکیم کی تلاوت سے پہلے یہ خیال کریں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے تلاوت کرتا ہوں، یہ کافی ہے ہر ہر حرف پر ایسی توجہ ضروری نہیں کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، لیکن اس میں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اس کی متضاد توجہ محقق نہ ہو اس وقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائے گا۔ جیسے انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کر لے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں، بس اتنا کافی ہے۔ ہر ہر قدم پر یہ ارادہ ضروری نہیں ورنہ چلنا دشوار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ جو اس توجہ کے متضاد ہو، پائی جائے تو پھر پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔

اسی طرح اعمال میں خشوع کا طریقہ بھی حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بتایا ..... چنانچہ فرمایا: ''اس خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ پختہ حافظوں کی طرح نماز نہ پڑھا کریں بلکہ ایسے ناظرہ خوان یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خوان یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے، اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں۔''

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مختلف ملفوظات میں نماز وغیرہ میں خشوع کی اہمیت اور اس کے حصول کے مختلف طریقے بتائے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''عین کام کے وقت کام کی مزدوری پر دھیان نہیں کرنا چاہیے کہ مقبول ہوگا، یا نہیں؟ اگر کام میں لگ جائے تو اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں گے اور کام کو آسان کر دیں گے۔''

ایک اور موقع پر فرمایا: ''تصوف اخلاق پر قابو پانے کا نام ہے، وساوس قلب کے اندر نہیں ہوتے بلکہ شیطان باب قلب سے اندر کی طرف وساوس پھونکتا ہے۔ قلب کے اندر کی چیز کو صدمہ نہیں ہوتا، وساوس بجلی کی تاریں ہیں ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہیے۔ نکالنے کی کوشش کرے اور نہ لانے کی۔ شیطان سرکاری کتا ہے بھونکتا ہے تو بھونکنے دیں۔

آں خداوندان کہ رہ طے کردہ اند
گوش بیابانگِ سگاں کے کردہ اند

یعنی جن حضرات نے اس راہ کو طے کیا ہے انہوں نے کتوں کی آواز پر کب کان دھرا۔

اللہ تعالیٰ جن کو نرمی کی توفیق دیتے ہیں انہیں نرمی کے ذریعہ نفع پہنچاتے ہیں۔ الحدیث

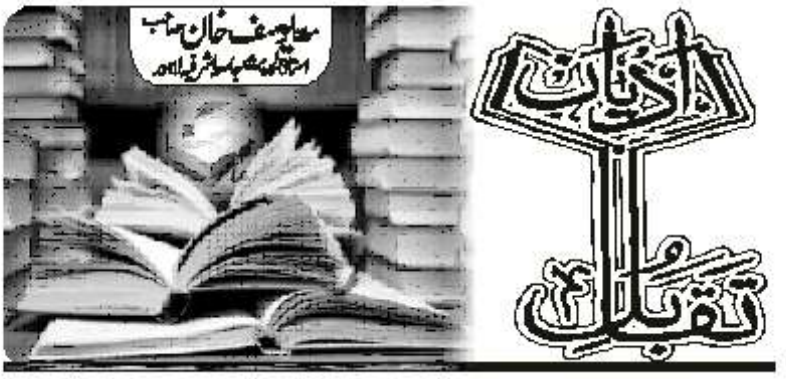

مؤرخین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہودیوں کا تعلق عبرانی نسل سے ہے اس لیے ان کے عقائد بھی ''عبرانی'' تھے، سامی النسل ہونے کی وجہ سے ان کا مذہب بہت حد تک اہل عرب سے بھی ملتا جلتا تھا اور مصر میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے ان کے مذہب نے مصری مذاہب وعقائد سے بھی تاثر قبول کر کے اپنے اندر انہیں مدغم کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور ان کے یہ بت درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام، ان کی اولاد اور مقدس ہستیوں کے وہ مجسمے تھے جنہیں ابتداً یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن بعد میں ان کی پوجا شروع ہوگئی۔

قدیم بنی اسرائیل اور ان کے عقائد:

یہودیوں کو ''بنی اسرائیل'' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، اصل میں ''بنی اسرائیل'' کا معنی ہے ''اسرائیل کی اولاد'' اور اسرائیل لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا، یاد رہے کہ ''اسرائیل'' عبرانی زبان کا ایک مرکب لفظ ہے جو اصل میں تھا ''اسرا'' اور ''ایل'' دونوں کو ملانے سے اسرائیل ہوگیا، اسرا کا معنی ''عبد'' (بندہ) اور ''ایل'' کا معنی ''اللہ'' تو اسرائیل کا معنی ہوا عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ چونکہ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے انہیں بنی اسرائیل بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

بہر حال! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل یہودی عبادات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خاندانی دیوتاؤں کی عبادت۔
(۲) پتھروں کی عبادت۔
(۳) قومی دیوتاؤں کی عبادت۔

چنانچہ بنی اسرائیل میں مورتیوں کی شکل میں ہر خاندان کا الگ الگ دیوتا ہوتا تھا،

خاندانی دیوتاؤں کی یہ مورتیاں چھوٹی جسامت میں ہوتی تھیں اور ''تراخیم'' کہلاتی تھیں۔ اسی طرح پتھروں کی پوجا اور ان پتھروں سے بت تراشی بھی عام تھی، بعض قربان گاہوں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ صرف ایک پتھر کھڑا کر دیا جاتا جس پر تیل ڈالا جاتا اور اس کے سامنے قربانی کی جاتی، اس جگہ کا نام ان لوگوں کے یہاں ''بیت ایل'' تھا۔

رہے بنی اسرائیل کے وہ قومی دیوتا جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، سو ان کی تفصیل تاریخ میں نہیں مل سکی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب یہودیوں نے کنعان پر غلبہ حاصل کیا تو وہ اس وقت کے دو مقامی بادشاہوں ''بَعْل اور مُولَک'' کی روحوں سے فیض حاصل کرنے کے مدعی تھے اس لیے قومی دیوتاؤں میں انہیں بہت شہرت حاصل تھی۔ خاص طور پر ''مولک'' کی پرستش دنیا کی بہت سی اقوام میں رائج تھی، بنی اسرائیل نے جب اس کی پوجا شروع کی تو وہ اس حد تک بڑھے کہ اپنے بچوں کی قربانیاں بھی اسی کے نام پر کرنے لگے، بعد میں اسی بُت کو ''یہوداہ'' کا نام دے دیا گیا۔

یہوداہ کا تعارف: مؤرخین کے درمیان اس کے صحیح تلفظ میں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے اسے ''یہودہ'' پڑھا ہے اور بعض نے یہوداہ قرار دیا ہے جب کہ بعض حضرات کی رائے میں یہ لفظ ذال کے ساتھ ''یہوذاہ'' صحیح ہے، شاید آپ یہ پڑھ کر حیران ہو رہے ہوں گے کہ یہود جس دیوتا کی عبادت کرتے تھے اور بزعم خویش اسے اپنا معبود سمجھتے تھے اس کے نام کا صحیح تلفظ کرنے پر بھی وہ قادر نہیں۔ آپ اس حیرانی میں یقیناً حق بجانب ہیں کیونکہ اس کی وجہ بھی بہت حیران کن ہے اور وہ یہ کہ یہودیوں کے یہاں اپنے خدا کا نام لینا بے ادبی اور قابل مؤاخذہ جرم تھا اور جو شخص اپنے خدا کا نام لیتا اس کی سزا یہ تھی کہ اسے سنگسار کر دیا جائے، بس اتنی اجازت تھی کہ سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس میں تمام یہودی اکٹھے ہو جائیں اور ایک مقدس آدمی اس کا نام لے لیکن باقی لوگ پھر بھی اس کا نام نہ لیں بلکہ خاموشی سے اسے سنتے رہیں۔

ان کڑی سزاؤں اور تادیبی کارروائیوں کی وجہ سے یہود اپنے خدا کے نام سے اتنے ناآشنا ہوئے کہ وہ اس کا صحیح تلفظ تک بھول گئے اور مؤرخین کو اس پر بھی بحث کرنا پڑی کہ خداوند یہود کے نام کا صحیح تلفظ کیا ہے۔

الغرض، جب یہودیوں کے دلوں میں قومی دیوتا کی حیثیت سے ''یہوداہ'' کی عظمت گھر کر گئی تو رفتہ رفتہ انہوں نے اس کے اختیارات میں بھی اضافہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ پہلے یہ کہا گیا کہ یہوداہ ہی ہمیں دشمنوں

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۃ الانبیاء)

پر فتح دیتا ہے اور ان کے حملوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، پھر اس پر یہ اضافہ ہوا کہ یہوداہ کی قوت عام انسانوں سے زیادہ ہے۔ اسی لیے وہ ان کی دعائیں بھی سنتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ پھر یہ سمجھا جانے لگا کہ اس کا ٹھکانا بادلوں کی کڑک اور گھن گرج میں ہے اس اعتبار سے یہوداہ بادلوں اور طوفان کا دیوتا قرار پایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب تک بنی اسرائیل کے حکمران رہے اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخی اور عظیم الشان حکومت قائم رہی، اس وقت تک تو یہودی صحیح رہے لیکن جوں ہی ان کی آنکھیں بند ہوئیں، یہ پھر اپنی پرانی روش پر چلنے لگے اور ''یہوداہ'' کی صفات میں بھی کچھ اضافہ کر دیا چنانچہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کا خالق ہونے کی حیثیت سے باور کرایا گیا اور یہ تصور دیا گیا کہ کوئی انسانی آنکھ ''یہوداہ'' کو نہیں دیکھ سکتی، اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو وہ مر جائے گا۔

محترم مظہر الدین صدیقی نے آمد موسیٰ علیہ السلام سے قبل کے حالات پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی، اس میں مشرکانہ رسوم اور بت پرستانہ عقائد کی گرم بازاری تھی، دوسری اقوام کی عبادت اور پرستش کو قبول کرنے میں مصری بہت فراخ دل واقع ہوئے تھے چنانچہ کنعانی دیوتاؤں بعل اور ہرون کی پرستش، مصری دیوتاؤں مثلاً سیت، ہورس اور ایسس کے ساتھ ساتھ جاری تھی، اسی طرح کنعان میں کئی مصری دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی، عام مذہبی حالت بہت پست تھی، کنعانیوں میں ''حرام کاری'' کو مذہبی تقدس حاصل ہو گیا تھا، کنعانی مندروں میں احلام کرنے والے مردوں کا ایک باقاعدہ اور مسلمہ مذہبی طبقہ موجود تھا، سانپوں کی پرستش بھی عام تھی اور انسانی قربانی ان کی ایک معمولی عادت تھی، مصریوں کے مذہبی رسوم بھی کچھ کم قبیح نہ تھے، جانوروں کی پرستش مصری مذہب کا ایک مسلمہ جزو تھا۔''

تاریخ میں جب بھی خانہ بدوشی اور اس سے وابستہ افراد کا تذکرہ کیا جائے گا، وہاں یہودیوں کا تذکرہ ضرور ہو گا جیسا کہ خود توارت میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور تواریخ بھی اس کے تذکرے سے یکسر خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہودی سابقہ ادوار میں کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ اپنے ٹھکانے بدلتے رہے جس کی برکت سے ''یہوداہ'' کا ٹھکانا بھی بدلتا رہا۔

☆.....☆.....☆

☆☆.....☆☆.....☆☆

قرآن مجید فرقانِ حمید میں "رقیب" کا لفظ تین بار، اور دو دفعہ لفظ "رقیبا" آیا ہے۔ رقیب کا مطلب ہے کامل علم رکھنے والا، نگہبان اور نگران۔ مضمون ہٰذا میں اُن تمام جگہوں کا مطالعہ کریں گے جہاں رقیب یا رقیبا کا لفظ آیا ہے۔

سورہ النسا (آیت ۱) میں ارشادِ خداوندی ہے:

یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نسا واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ و الارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا.

ترجمہ: "لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے گریز کرو۔ یقین کرو اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے"۔

سورہ النساء میں کیونکہ انسانوں کے باہمی حقوق بیان کیے گئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ خاندانی نظام کی بہتری و استواری کے لیے ضروری قوانین ارشاد فرمائے جا رہے ہیں، اس لیے اس سورت کی تمہید اس طرح اُٹھائی گئی کہ ایک طرف اللہ سے ڈرنے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی تاکید کی گئی اور دوسری طرف یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ وہ سب انسانوں کی نگہبانی کر رہا ہے۔ یعنی وہ اُن کے اوپر نظر رکھے ہوئے ہے اور دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے حکم سے سرتابی کرتا ہے۔

سورہ الاحزاب آیت ۵۲ میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں و کان اللہ علیٰ کل شیء رقیبا (اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے)۔ یہ آیت حضور ﷺ کی خانگی زندگی کے معاملات کے بارے میں ہے، یہاں مختصر سے مضمون میں تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

سورہ المائدہ (آیات 17-116):

"اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور

عورتوں کا بھی تم پر ایسا حق ہے جیسا تمہارا حق عورتوں پر ہے۔ (القرآن)

میری ماں کو بھی خدا بنالو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔ جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے (انت الرقیب علیھم) اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں"۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ میدانِ حشر میں حضرت عیسیٰ تمام دنیا کے انسانوں کے سامنے اس حقیقت کا اعادہ کریں گے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی "الرقیب" ہے۔ پیغمبر کو بھی رقیب کہا گیا ہے۔ سورہ ہود (آیت 93) میں حضرت شعیب کا قول بیان کیا گیا ہے۔ شعیبؑ نے کہا "بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (برادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو، تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا، جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں (وارتقبوا انی معکم رقیب) یوں بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ نبی کے لیے رقیب کا لفظ نگران کے معنی میں نہیں آیا بلکہ منتظر کے معنی میں آیا ہے۔

سورہ ق (آیات 18-16) میں رقیب کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے: و لقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس به و نحن اقرب الیه من حبل الورید. اذ یتلقی المتلقیٰن عن الیمین و عن الشمال قعید. ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید.

ترجمہ: ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں، (اور ہمارے اس براہِ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔

سورہ ق کی یہ بہت اہم آیات ہیں وہ الرقیب بتا رہا ہے کہ ہماری قدرت اور ہمارے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس

طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی رگِ گردن بھی اس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا ہمارا علم اور ہماری قدرت اس سے قریب ہے۔ اس کی بات سننے کے لیے ہمیں کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا، اس کے دل میں آنے والے خیالات تک کو ہم براہِ راست جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو ہم کہیں سے آکر اس کو نہیں پکڑیں گے، وہ جہاں بھی ہے ہر وقت ہماری گرفت میں ہے، جب چاہیں گے اسے دھر لیں گے۔

یہ بھی انسان پر واضح کیا گیا ہے کہ ایک طرف تو ہم خود رقیب ہیں، براہِ راست خود انسان کی حرکات وسکنات اور اس کے خیالات کو جانتے ہیں، دوسری طرف ہر انسان پر دو فرشتے (رقیب) مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول و فعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اُس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کون کیا کیا کر کے آیا ہے، اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اُس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔ یہ دستاویزی ثبوت کس نوعیت کا ہوگا، اس کا ٹھیک ٹھیک تصور کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے مگر جو حقائق آج ہمارے سامنے آرہے ہیں انہیں دیکھ کر یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے جس فضا میں انسان رہتا اور کام کرتا ہے اُس میں ہر طرف اُس کی آوازیں، اُس کی تصویریں اور اس کی حرکات وسکنات کے نقوش ذرے ذرے پر ثبت ہو رہے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کو بعینہٖ انہی شکلوں اور آوازوں میں دوبارہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ انسان یہ کام نہایت ہی محدود پیمانے پر آلات کی مدد سے کر رہا ہے لیکن خدا کے فرشتے نہ ان آلات کے محتاج ہیں نہ ان قیود سے مقید۔ انسان کا اپنا جسم اور اس کے گرد وپیش کی ہر چیز اُن کی ٹیپ اور اُن کی فلم ہے جس پر وہ ہر آواز اور ہر تصویر کو اس کی نازک ترین تفصیلات کے ساتھ جُوں کی تُوں ثبت کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز آدمی کو اس کے اپنے کانوں سے اُس کی اپنی آواز میں اُس کی وہ باتیں سنوا سکتے ہیں جو وہ دنیا میں کرتا تھا، اور اس کی اپنی آنکھوں سے اس کے اپنے تمام کرتوتوں کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا سکتے ہیں جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ وہ الرقیب آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کر کے اس کو سزا دے گا۔ اسی لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال وافعال کا مکمل ریکارڈ اُس کے رقیب (فرشتے) تیار کر رہے ہیں تاکہ اس کی کارگزاریوں کا پورا ثبوت ناقابلِ انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے۔ ☆.....☆

س:..... ہم جو انگوٹھی وغیرہ پہنتے ہیں اور اس میں اپنے نام کے ستارے کے حساب سے پتھر لگواتے ہیں مثلاً عقیق، فیروزہ، وغیرہ وغیرہ کیا یہ اسلام کی رُو سے جائز ہے؟

ج:..... پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، انسان کے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

س:..... جانور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کے بدلہ جان جائے، جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے، اللہ تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندے کی جان نہ لیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

ج:..... زندہ جانور کا صدقہ کر دینا زیادہ بہتر ہے، شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنا اگر محض بوجہ اللہ ہو تو مباح ہے، لیکن اصل مقصد بالا راقیہ صدقہ ہونا چاہیے نہ کہ فدیہ جان بہ جان۔

س:..... اسلام میں نحوست کی کیا اہمیت ہے؟ بعض لوگ پاؤں پر پاؤں رکھنے کو نحوست سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ انگلیاں چٹخانے کو، بعض جمائیاں لینے کو نحوست سمجھتے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں دن منحوس ہے وغیرہ وغیرہ ان سب کا کیا حکم ہے؟

ج:..... اسلام میں نحوست اور بدشگونی کا کوئی تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے، حدیث شریف میں بدشگونی کے عقیدہ کی تردید فرمائی گئی ہے، سب سے بڑی نحوست انسان کی اپنی بداعمالیاں اور فسق و فجور ہے جو آج مختلف طریقوں سے گھر گھر میں ہو رہا ہے، الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بداعمالیاں اور نافرمانیاں خدائی قہر اور لعنت کی موجب ہیں، ان سے بچنا چاہیے، نیز اسلام نحوست کا قائل نہیں ہے، اس لیے کسی کام یا دن کو منحوس سمجھنا غلط ہے، انگلیاں چٹخانا نامناسب ہے اور اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔

س:..... صدقہ اور منت میں کیا فرق ہے؟

ج:..... نذر اور منت اپنے ذمہ کسی چیز کو لازم کرنے کا نام ہے، مثلاً کوئی شخص منت مان لے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنا صدقہ کروں گا، کام ہونے پر منت مانی ہوئی چیز واجب ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر لازم کیے ہوئے اللہ کے راستے میں خیرات کرے تو اس کو صدقہ کہتے ہیں۔

جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں (حدیث)

س:..... ایک شخص پانچ ہزار روپے کا مقروض ہے اور یہ قرض حسنہ لیا ہوا ہے، اس کی بیوی کے پاس تقریباً تین ہزار روپے کا زیور ہے۔ اب بیوی چاہتی ہے کہ ۱۵۰۰ روپے کے زیورات بیچ کر گاؤں میں ایک کنواں کھدوائے، لیکن اس کے میاں کا اصرار ہے کہ یہ پندرہ سو روپے کنواں پر خرچ کرنے کی بجائے میرا قرض ادا کردو۔ بیوی کہتی ہے کہ یہ میرا حق ہے میں جہاں چاہوں خرچ کرسکتی ہوں۔ اس کا ثواب مجھے ضرور ملے گا اور خاوند کہتا ہے کہ میاں اگر مقروض ہو تو اس کی بیوی کو خیرات کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ کیا بیوی اپنے زیورات کو فروخت کرکے اس رقم کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرسکتی ہے یا خاوند کی اطاعت اس کے لیے ضروری ہے؟

ج:..... اگر زیور بیوی کی ملکیت ہے تو وہ جس طرح چاہے اور جہاں چاہے خیرات کرسکتی ہے۔ شوہر کا اس پر کوئی حق نہیں۔ لیکن حدیث پاک میں ہے کہ عورت کے لیے بہتر صدقہ یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر اور بال بچوں پر خرچ کرے۔ اس لیے میں اس نیک بی بی کو جو پندرہ سو روپے خرچ کرنا چاہتی ہیں مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے سارے زیور سے اپنے شوہر کا قرضہ ادا کر دے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے اور اس کو جنت میں بہترین زیور عطا کریں گے۔

س:..... میں نے اکثر جگہ پڑھا ہے کہ مرد اچھی عورت کی طلب کرتے ہیں اور نیک بیوی چاہتے ہیں، اکثر اپنی پسند کی شادی بھی کرتے ہیں کیونکہ وہ مرد ہیں، کیا یہ ٹھیک کرتے ہیں؟

ج:..... نیک اور اچھے جوڑے کی خواہش دونوں کو ہے اور پسند کی شادی بھی دونوں کرتے ہیں۔ میں تو اس کا قائل ہوں کہ اپنے بزرگوں کی پسند کی شادی کی جائے۔

س:..... کیا عورت اپنے لیے اچھے نیک شوہر کی خواہش نہ کرے؟ عورت کسی ایسے شخص کو پسند کرتی ہے اور اس سے عزت سے شادی کرنے کی خواہش رکھتی ہے تو اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ ہمارے معاشرے میں ایسی حرکت عورت کے لیے باعث عیب ہے جب کہ مرد اپنی خواہش پوری کرسکتا ہے؟

ج:..... اکثر لڑکیاں کسی شخص کو پسند کرنے میں دھوکا کھا لیتی ہیں، اپنے خاندان اور کنبے سے پہلے کٹ جاتی ہیں، ان کی محبت کا جمع چند دنوں میں اتر جاتا ہے، پھر نہ وہ گھر کی رہتی ہیں نہ گھاٹ کی۔ اس لیے میں تمام بچیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ شادی دستور کے مطابق اپنے والدین کے ذریعہ کیا کریں۔

س:..... میں نے اکثر جگہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور

صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے (الحدیث)

اکرم ﷺ سے نکاح کی خواہش کی تھی جو کہ حضور اکرم ﷺ نے قبول کر لی تھی؟

ج:..... صحیح ہے۔

س:..... اگر آج ایک نیک مومن عورت کسی نیک شخص سے شادی کی خواہش کرے تو اس میں کوئی برائی تو نہیں ہے جب کہ عورت اپنی خواہش بیان نہ کر سکتی ہو تو کیا کرے۔

ج:..... اس کی صورت یہ ہے کہ خود یا اپنی سہیلیوں کے ذریعے اپنی والدہ تک اپنی خواہش پہنچا دے اور یہ بھی کہہ دے کہ میں کسی بے دین سے شادی کرنے کے بجائے شادی نہ کرنے کو ترجیح دوں گی اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتی رہے۔

س:..... اگر عورت اپنی خواہش سے شادی کر بھی لے تو یہ مرد حضرات طعنہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جب کہ عورت کم ہی ایسا کرتی ہے۔ ایسے حضرات کے بارے میں آپ کیا جواب دیں گے؟

ج:..... جی نہیں؟ شریف مرد کبھی اپنی بیوی کو طعنہ نہیں دے گا۔ اسی لیے تو میں نے عرض کیا کہ آج کل کچی عمر اور کچی عقل کی لڑکیاں محبت کے جال میں پھنس کر اپنی زندگی برباد کر لیتی ہیں۔ کسی کا حسب و نسب دیکھتی ہیں نہ اخلاق و شرافت کا امتحان کرتی ہیں، جب کہ لڑکی کے والدین زندگی کے نشیب و فراز سے بھی واقف ہوتے ہیں اور یہ بھی اکثر جانتے ہیں کہ لڑکی ایسے شخص کے ساتھ نبھا کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس لیے لڑکی کو چاہیے کہ والدین کی تجویز پر اعتماد کرے۔ اپنی ناتجربہ کاری کے ہاتھوں دھوکا نہ کھائے۔

س:..... ایک شخص جس کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے یہ نہ تو قرآن شریف پڑھا ہوا ہے، نہ اس کو نماز آتی ہے اور نہ ہی اس کو دینی معلومات سے آگاہی ہے ان کا تعلق ہمارے گھرانے سے ہے۔ اب گھر کے تمام افراد مجھے ان صاحب کی بیعت کرنے کو کہتے ہیں اور یہ کام مجھے میری عقل اور علم کے خلاف نظر آتا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ج:..... کسی مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہونا اپنی اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور مرشد کامل وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل باتیں موجود ہوں۔

(۱) ضرورت کے موافق دین کا علم رکھتا ہو۔ (۲) اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔ (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ (۴) کسی مرشد کامل متبع سنت کی خدمت میں رہا ہو اور اس کی طرف سے بیعت لینے کی اجازت اسے حاصل ہو۔ (۵) اس زمانے کے عالم اور بزرگان دین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ (۶) اس سے تعلق رکھنے والے سمجھ دار اور دین دار لوگ ہوں اور شریعت کے پابند ہوں۔ (۷) وہ اپنے مریدوں کی اصلاح کا خیال رکھتا ہو اور ان سے کوئی شریعت کے خلاف کام ہو جائے تو اس پر روک ٹوک کرتا ہو۔

بدترین ہیں وہ لوگ جن کا احترام محض ان کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے۔ (حدیث)

دعا حصولِ رحمت کا یقینی نسخہ

سرفراز اے شاہ
ڈاکٹر محمد اقبال

رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا''

(وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ)

دوسری جگہ فرمایا ''جب نماز سے فارغ ہو تو کھڑے ہو جاؤ دعا کے لیے۔'' ایک اور آیت کے ذریعے فرمایا ''جب میرے متعلق میرے بندے تجھ سے دریافت کریں (کہ ہمارا رب کہاں ہے) تو یقیناً میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''

رب تعالیٰ نے دعا کے سلسلے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ''قبول کرنے والا'' اور ''سننے والا'' کے ہیں۔ کچھ لوگوں کی دعائیں پوری ہونے میں وقت لگ جاتا ہے، دیر ہو جاتی ہے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کے مانگنے کا انداز رب کو بھاتا ہے اور وہ شخص اللہ کے حضور کافی عرصہ گڑگڑاتا رہتا ہے تب کہیں جا کر دعا قبول ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی دعا کا قبول ہونا ہمارے حق میں نہیں ہوتا چونکہ رب تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس لیے وہ اپنی رحمت کے صدقے ایسی دعائیں جو ہمارے مفاد میں نہیں ہیں، قبول نہیں فرماتا لیکن اس کے بدلے ہمارے گناہ معاف فرما دیتا ہے یا پھر ہمارے کچھ دوسرے کام سنوار دیتا ہے جن کے لیے ہم نے دعا نہیں کی ہوتی۔ ہماری دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی بعض اوقات وجہ یہ بنتی ہے کہ ہم آپ ﷺ کو پیچھا تو ہیں لیکن آپ ﷺ کی پیروی نہیں کرتے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ لقمہ حرام ہے لیکن اُسے کھاتے ہیں..... یہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ کا کام ہے لیکن وہ کرتے ہیں..... یاد رکھیے کہ جو شخص لقمۂ حرام کھاتا ہے اُس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں دین میں احکامات واضح طور پر موجود نہ ہوں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک لائحہ عمل ترتیب دیا جو ہمیں کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ میرے نزدیک انسان پہلے عملی کوشش اور محنت

مجلسوں اور کیسٹوں میں امانت داری لازمی ہے

کرے اور پھر اللہ کے حضور دعا کرے کہ یا باری تعالیٰ! میرے اندر جتنی سکت تھی، جتنا عقل و شعور اور قابلیت تھی اس کو پوری طرح بروئے کار لا کر میں نے کوشش کی ہے تو اس کو قبول فرمالے اور مجھے کامیابی عطا فرمادے۔

اللہ نے ہمیں بالکل واضح راستہ بتا دیا ہے لیکن بہت سی دیگر سماجی ثقافتی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ایک اور تبدیلی ہمارے مزاج میں در آئی وہ یہ کہ ہم میں سستی کا عنصر غالب آ گیا ہے۔ اب ہم دعا کے لیے پہلے جاتے ہیں۔ پہلے ہم کام کروانے کے لیے دعا کرتے ہیں اس کے بعد عملی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم مشکل کا شکار رہتے ہیں اور گلہ شکوہ کرتے ہوئے یہاں تک سوچتے ہیں کہ شاید کسی نے ہم پر جادو، ٹونہ یا تعویذ کر دیئے ہیں۔ ایک طرف ہم زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اپنی مرضی کا خود مالک ہے، کسی آدمی کی مجال نہیں کہ جو چیز رب دینا چاہے وہ اُسے روک لے اور جو شے رب نہ دینا چاہے وہ ہمیں دلا دے۔ اگر ہماری زبان سے ادا ہونے والے یہ الفاظ سچ ہیں تو پھر ہمیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ کسی نے یہ رشتہ باندھ دیا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا کہنا یا سمجھنا بالواسطہ شرک ہے۔ رب نے تو واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ کوئی شخص کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا اگر میں نہ چاہوں اور کوئی شخص کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر میں نہ چاہوں۔

جب یہ بات واضح طور پر موجود ہے اور ہم اس پر صدقِ دل سے یقین بھی رکھتے ہیں تو پھر ہم لوبا پھیرنے والے اور عملیات کرنے والے کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ ہم اگر سال بھر میں قرآن پاک کا ایک لفظ ہی سیکھ لیں اور اس پر عمل کر لیں تو یہ طوطے کی طرح قرآن پاک رٹنے سے کہیں بہتر ہے۔ اگر ہم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، ہم صاحب دعا کے پاس جاتے ہیں کہ صاحب! میرا بچہ پڑھتا نہیں، بہت بدتمیز ہے اس کے لیے دعا کر دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے تو بچے کو کوری فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے بالکل ایسے جیسے آپ کو ایک کورا صاف ستھرا سادہ کاغذ دے دیا جائے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کورے کاغذ پر قرآنی آیات لکھیں، اقوالِ زریں یا کچھ اور..... اللہ نے جو بچہ ہمیں عطا فرمایا وہ تو فطرتاً بالکل نیوٹرل اور سادہ تھا۔ اب جیسی ہم اس کی تربیت کریں گے ویسے ہی اس کے رویئے ہوں گے۔ اگر ایک طرف ہم لاپروائی اور کوتاہی کے باعث اس کی تربیت اچھی نہیں کر پاتے..... تو دوسری طرف کوشش اور توجہ سے اس کی تربیت کو بہتر بھی کر سکتے ہیں اسی لیے رب تعالیٰ نے راہ دکھائی اور ماں باپ پر بچے

کا حق یہ رکھا کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق اُسے بہترین تعلیم وتربیت سے نوازیں۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت اپنے وسائل کے مطابق بہترین انداز میں کریں کیونکہ بچے کے رویہ کا تعلق والدین کی طرف سے دی گئی تربیت پر منحصر ہے۔ لیکن ہم اس بات کا ادراک نہیں کرتے اور تربیت کے معاملے میں اپنی کوتاہی کو درست کرنے کی بجائے، بچے کو صاحبِ عملیات و صاحبِ دعا کے پاس لے جاتے ہیں۔ بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالتے ہیں اور کبھی تعویذ گھول کر پلاتے ہیں۔ جب رب پر ہمارا پختہ ایمان ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری والدہ سے ستر (۷۰) گنا زیادہ ہم سے محبت کرتا ہے، وہ ہماری مدد بھی کرتا ہے، وہی ہماری بگڑی سنوارتا ہے، وہ ہم سب کا رب ہے اور وہ سب کی سُنتا ہے تو رب تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنے والے مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عامل کے پاس جائے۔ اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو مجاہدوں کی طرح عمل کے لیے کمر کس کے رکھتے ہیں اور عملی جدوجہد کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں..... ہم پر وہ سنہرا دور گزرا ہے جس کو ہمارے بدترین دشمن بھی ''سنہرا'' تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ کا دور تھا جب ہم ۲۲۰ مربع میل علاقہ روزانہ سلطنت میں شامل کر رہے تھے۔ آدھا فرانس ہمارے قبضہ میں آچکا تھا۔ رومیوں کا غرور ہم نے توڑ دیا تھا۔ ایرانی تہذیب ہم نے ملیامیٹ کر دی تھی۔ کیا یہ سب ہم نے تعویذوں، وظیفوں اور عملیات کے زور پر کیا؟ یا کیا اس دور کے مجاہد وظائف اور عملیات کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو صحابہ کرامؓ نے جو غربت اور زندگی کی مشکلات دیکھیں کیا ہماری غربت اور مشکلات اُن سے زیادہ ہیں؟

ہم کسی ایک صحابیؓ کا نام بھی نہیں لے سکتے جنہوں نے غربت اور مسائل سے تنگ آکر وظائف کا سہارا لیا ہو۔ ہاں اُنہوں نے وظائف ضرور پڑھے لیکن قربِ الٰہی کے حصول کے لیے..... رضائے الٰہی کے لیے۔ اپنے خالق کی خوشنودی کے لیے تو صحابہ کرامؓ نے تسبیحات ضرور پڑھیں لیکن مسائل سے چھٹکارا پانے کے لیے نہیں۔ پھر ہم کن چیزوں میں پڑ گئے ہیں؟

ہم ہر مسئلہ کے حل کے لیے عملیات اور وظائف کیوں ڈھونڈتے ہیں؟

اگر ہمیں روشنی چاہیے تو ہمارے لیے بہترین منارۂ نور اولیائے کرامؒ، صحابہ کرامؓ اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہے۔ ہم اکثر کہتے ہیں کہ ہماری تو دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ہم لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دعا عبادت کا مغز

مسلمان عورتوں کو باہر خوشبو لگا کر نکلنے سے منع کیا گیا

ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ آپ ﷺ کا فرمان ہے لیکن اگر ہم ذرا سا غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ساری ساری رات رو رو کر بہت عاجزی سے گڑگڑا کر اللہ کے حضور دعائیں مانگیں لیکن سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی بھی موقع پر آپ ﷺ نے کوئی دنیاوی چیز یا آسائش مانگی؟ کیا زندگی کے مسائل سے نجات کی دعا مانگی؟ یقیناً نہیں..... تو پھر ہماری دعائیں دنیا تک محدود کیوں رہتی ہیں۔

آپ ضرور دعا مانگیں اور گڑگڑا کر مانگیں اور وہ مانگیں جو آپ ﷺ مانگا کرتے تھے اور آپ ﷺ تو وہ چیز طلب فرماتے جس سے ہم نجات کی دعائیں مانگتے ہیں اور وہ دعا یہ ہے کہ .....''یا اللہ! مجھے روزِ قیامت مساکین میں سے اُٹھانا۔''

ہم اللہ سے اُس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق مانگیں۔ ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکتے ہیں۔ ہم اللہ سے اُس کی پناہ مانگ سکتے ہیں شیطان کے خلاف۔ اللہ سے ہم اس کا رحم اور رحمت مانگ سکتے ہیں اور اگر کبھی اللہ ہمیں توفیق دے تو ہم اللہ سے خود اُس کی ذات مانگ سکتے ہیں۔ یہ مانگنا ہی تو ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ مانگنے سے رب خوش ہوتا ہے تو ہم یوں بھی تو اُس کو خوش کر سکتے ہیں کہ بجائے یہ مانگنے کے کہ ''یا اللہ! مجھے کرسی اور اقتدار عطا فرما۔'' ہم اس سے اس کی ذات مانگ لیا کریں۔

دعا مانگنے کے لیے کسی صاحب دعا کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو سب کی سنتا ہے۔ اُن کی بھی جو اُس کو مانتے ہی نہیں۔ اُن کی بھی جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ سرکشوں اور منکروں کی بھی وہ سنتا ہے اور ان کی بھی وہ سنتا ہے جو گناہ گار ہیں۔ تو پھر ہم پیر صاحب کی طرف کیوں دوڑے چلے جاتے ہیں کہ دعا کریں کہ ہمارا بچہ تعلیم پر توجہ دے۔ ایک طرف تو بچے کی تعلیم و تربیت میں غفلت برت کر ہم نے اپنی ذمہ داری سے روگردانی کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس غفلت کی نہ صرف پردہ پوشی کر رہے ہیں بلکہ دعا سے اپنی کوتاہی کی تلافی (Compensation) بھی کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہم پیر صاحب سے دعا کرانے کے لیے کئی کئی گھنٹے ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی توہین ہے۔ ہم یہ کیوں نہ کریں کہ پہلے اپنا فرض ادا کریں اور پھر رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر اُس کی مدد مانگیں کہ ''یا اللہ پاک! تو اس کوشش اور محنت میں برکت دے، ہمارے بچوں کو نیک اور فرماں بردار بنا دے۔ ان کو ایسا بنا دے کہ وہ تیرے

محبوب ﷺ کی امت کی بہتری کے لیے Contribute (حصہ ڈالنا) کرسکیں۔''

رب تعالیٰ مہربان ہے، رحیم و کریم ہے۔ وہ ہماری محنت سے کئی گنا زیادہ اجر ہمیں عطا فرماتا ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہماری کوشش کے متوقع اور مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آتے۔ ایسے میں عاملوں، پیروں، فقیروں اور اوراد و وظائف کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ہمیں اپنے متزلزل یقین کو یہ کہہ کر سہارا دینا چاہیے کہ ''میرا مالک بہت مہربان ہے، وہ ہمیشہ میرا بھلا چاہتا ہے، میری عقل ناقص اور عمل محدود ہے۔ میں اپنی ناک سے پرے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے کل کی خبر نہیں لیکن میرے رب سے تو کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ میں جو کچھ مانگ رہا تھا اور جس چیز کے حصول کے لیے کوشاں تھا وہ شاید میرے لیے بہترین نہیں تھی اس لیے مجھے عطا نہیں ہوئی۔ یہ رویہ اپنا کر انسان مرضی کے خلاف نتائج بھی ہنسی خوشی قبول کرلیتا ہے۔''

جب انسان رب تعالیٰ کے عشق میں ڈوب جاتا ہے تب وہ اپنے رب کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے، دعا نہیں کرتا۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو سب کچھ مانگنا بھول جاتا ہے۔ اسے یاد رہتا ہے تو بس اتنا کہ ''یارب! تو مجھے ملے گا کب؟'' وہ دعا کے وقت رب سے صرف اسی کو مانگتا ہے۔ اس کا قرب مانگتا ہے اور اس کے دیدار کی تمنا کرتا ہے۔ وہ رب کو اپنا رازداں، اپنا دوست اور اپنا محبوب جان کر اپنے دل کا حال اسی سے کہتا ہے اور بڑے مان سے اُسے پکارتا ہے اور بے شک رب تعالیٰ اپنے بندوں کا مان رکھنے والا ہے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

بھارت دنیا کا سب سے بڑا ہتھیاروں کا خریدار

بھارت کی جانب سے فرانسیسی کمپنی داسو سے ایک سو چھبیس نئے لڑاکا طیاروں کی مجوزہ خریداری نے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کو دنیا کا سب سے بڑا ہتھیاروں کا خریدار بھی بنا دیا ہے۔ بھارت اور داسو کمپنی کے درمیان اس مجوزہ خریداری کا حتمی معاہدہ تقریباً بارہ ارب ڈالرز مالیت کا ہے اور بھارت آئندہ برسوں میں مزید فوجی سامان خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں ہیلی کاپٹرز اور توپ خانہ بھی شامل ہے۔

(روزنامہ جنگ 3 فروری 2012ء)

☆.....☆☆.....☆

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆.....☆☆.....☆

اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی؟

میری والدہ صاحبہ بڑی عبادت گزار اور اللہ پر توکل کرنے والی، بڑی سلیقہ شعار اور باہمت خاتون تھیں۔ والد صاحب کی تنخواہ بہت کم تھی، لیکن والدہ صاحبہ نے اس مختصر تنخواہ میں بھی ہم بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی اور کبھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناشکری نہیں کی۔ میں اپنی والدہ صاحبہ کے چند واقعات لکھ رہا ہوں، جن سے ان کی عظیم شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ میرے والد صاحب ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ بڑی قلیل تنخواہ تھی، بس گزر بسر کسی نہ کسی طریقے سے ہو رہی تھی۔ والدہ صاحبہ اکثر والد صاحب سے کہتی تھیں کہ اگر کسی مہینے گھر کے اخراجات سے کچھ پیسے بچ جائیں تو گھر کا فلاں فلاں کام ہو جائے، لیکن اخراجات ہر مہینے کسی نہ کسی وجہ سے بڑھ جاتے تھے۔

ایک روز والد صاحب شام کو دفتر سے گھر آئے اور والدہ صاحبہ کو خاموشی سے ایک بڑی رقم دی اور کہا ''یہ رقم اپنے استعمال میں لاؤ اور جتنے بھی کام رکے ہوئے ہیں، کرلو۔ یہ سب رقم تمہاری ہے۔ ماضی کے جتنے بھی گلے شکوے ہیں اور خواہشات ہیں اس سے پوری کرلو۔''

والدہ صاحبہ نے خوشی سے پوچھا ''اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی ہے؟''

والد صاحب نے بتایا ''آج ایک صاحب آئے تھے، کافی دیر میرے پاس بیٹھے رہے، جب جانے لگے تو یہ رقم میرے پاس بھولے سے چھوڑ گئے۔ میں نے یہ رقم چھپالی۔ کچھ دیر بعد وہ صاحب گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا ''میں اپنا ایک تھیلا جس میں کچھ رقم تھی، یہاں تو نہیں بھول گیا؟''

میں نے کہا: ''آپ کہیں اور بھول آئے ہوں گے، تو وہ صاحب چلے گئے۔''

والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ رقم اس طریقے سے آئی ہے تو ایک دم ان کا رنگ غم اور پریشانی سے سفید ہو گیا۔ وہ والد صاحب سے کہنے لگیں ''تم نے اتنی بڑی بے ایمانی کیسے کی؟'' یہ بات تمہیں زیب نہیں دیتی۔ میں یہ رقم نہیں لوں گی، اس رقم کو واپس کر کے آؤ۔''

والد صاحب نے کہا ''اس عمل کا گناہ

رسول اللہؐ نے فرمایا: کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (ابوداؤد)

اور ثواب میرے ذمے ہے، بس تم اس رقم کو استعمال کرو۔" والدہ صاحبہ نے بڑی سختی سے انکار کیا اور کہا "میں یہ رقم استعمال نہیں کروں گی، میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا۔"

جب والد صاحب نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہوگئی ہیں تو کہا "میں مذاق کر رہا تھا اور تمہیں آزمانا چاہتا تھا۔ دراصل آج ڈاک خانے کی گاڑی نقد رقم لینے نہیں آئی۔ اس وجہ سے میں یہ رقم گھر لے آیا کہ کہیں ڈاک خانے سے رقم چوری نہ ہو جائے۔ یہ سرکاری امانت ہے، صبح واپس لے جاؤں گا"۔ والدہ صاحبہ نے سنا تو سکھ کا سانس لیا اور رقم حفاظت سے رکھ لی۔

مانی کا اٹیچی کیس:

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار والدہ صاحبہ ایک شادی میں شرکت کے لیے لاہور سے کراچی گئیں۔ اپنے کپڑے، شادی میں دینے کے لیے زیور اور پیسے ایک اٹیچی کیس میں رکھ لیے..... جب کراچی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچیں تو دیکھا کہ اٹیچی کیس غائب ہے، وہ بڑی پریشان ہوئیں۔ معلوم یہ ہوا کہ جب صبح اذان کے وقت ٹرین حیدرآباد پہنچی تو ایک فیملی جو لاہور سے بیٹھی تھی، جلدی میں اپنے سامان کے ساتھ والدہ صاحبہ کا اٹیچی کیس بھی لے گئی۔

والدہ صاحبہ کہنے لگیں "مجھے اللہ پر بھروسا ہے کہ میرا سامان ان شاء اللہ مل جائے گا۔" میرا بھانجا اسٹیشن پر والدہ صاحبہ کو لینے آیا تھا، اس نے کہا "میں حیدر آباد جاتا ہوں۔ آپ مجھے اٹیچی کیس کی چابی دے دیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کا سامان واپس لے کر آتا ہوں۔" میری والدہ نے کہا کہ اس فیملی نے یہ بتایا تھا کہ اگلے روز ان کے بھائی کی شادی ہے۔ ان کا بھائی ڈاکٹر ہے اور لطیف آباد میں ان کی رہائش ہے۔

میرا بھانجا حیدرآباد دوسرے روز پہنچا اور اپنے ایک دوست کے گھر گیا اور اس سے کہا کہ ایک فیملی ہماری مانی کا اٹیچی کیس لے آئی ہے، میں وہ واپس لینے آیا ہوں، تم میری مدد کرو۔

دوست نے کہا "ہم صبح لطیف آباد میں تمام ڈیکوریشن والوں کے پاس جاتے اور ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کسی ڈاکٹر صاحب کے گھر دعوتی سامان پہنچایا ہے۔"

صبح کو وہ دونوں اپنے مشن پر نکلے اور تمام ڈیکوریشن والوں سے معلوم کیا، لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ دوسرے روز وہ لطیف آباد کے تمام نکاح خواہوں سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کسی ڈاکٹر صاحب کا نکاح پڑھایا ہے؟ آخر ایک نکاح خواں نے بتایا کہ میں نے فلاں پتے پر ایک نکاح پڑھایا اور لڑکا

دو آوازیں بدترین ہیں (۱) راگ کی (۲) نوحہ کی

ڈاکٹر ہے۔ یہ لوگ نکاح خواں سے ڈاکٹر کا پتا لے کر اس کے گھر گئے اور پوچھا کہ کیا آپ کے کچھ رشتے دار لاہور سے فلاں ٹرین سے فلاں وقت پر آئے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے بتایا ''ہاں آئے ہیں''

میرے بھانجے نے کہا کہ وہ غلطی سے اپنے سامان کے ساتھ میری مامی کا اٹیچی کیس بھی لے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے چونک کر کہا ''لائے تو ہیں آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ اٹیچی کیس آپ ہی کا ہے؟''

میرے بھانجے نے اٹیچی کیس کی چابی ان صاحب کو دی اور کہا ''اسے لگا کر دیکھ لیں، اگر یہ چابی اٹیچی کیس کو لگ جاتی ہے تو وہ ہماری ہے اور اس میں فلاں فلاں سامان بھی ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے اٹیچی کیس میں جب چابی لگائی تو وہ لگ گئی، اس لیے انہوں نے اٹیچی کیس میرے بھانجے کو دے دیا۔ اس طرح وہ اٹیچی کیس والدہ صاحبہ تک پہنچ گیا، یہ ان کا اللہ پر بھروسا، نیک نیتی اور حق حلال کی کمائی کا نتیجہ تھا کہ سامان بخیریت مل گیا۔

والدہ، برقع اور پرس:

ایک بار ایک عزیز کی شادی کے سلسلے میں والدہ صاحبہ کو لے کر پرل کانٹی نینٹل ہوٹل جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہمارے ایک قریبی عزیز ملنے آئے۔ انہوں نے والدہ کو ایک بڑی رقم دی اور کہا کہ یہ امانت ہے اور جب مجھے ضرورت ہوگی میں لے لوں گا۔ جب تقریب ختم ہوئی اور ہم واپسی کے لیے کار پارکنگ میں آئے تو والدہ صاحبہ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اوڑھنے کے لیے برقع درست کرنے لگیں اور اپنا پرس جس میں کافی رقم تھی، ایک سکوٹر کی سیٹ پر رکھ دیا۔ برقع ٹھیک کرنے کے بعد انہیں پرس اٹھانا یاد نہ رہا اور وہ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ جب آدھا راستہ طے ہو گیا تو میں نے ایک جگہ پٹرول بھروانے کے لیے گاڑی روکی۔ پٹرول ڈلوایا تو میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ آپ اپنے پرس میں سے کچھ پیسے دے دیں۔ اس پر انہیں یاد آیا کہ وہ اپنا پرس تو وہیں بھول آئی ہیں جہاں انہوں نے برقع درست کیا تھا۔

وہ کہنے لگیں ''مجھے اللہ کی ذات پر اُمید ہے کہ وہ پرس کہیں نہیں جائے گا۔'' جب ہم آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچے تو دیکھا کہ پرس اسی جگہ اسکوٹر کی سیٹ پر رکھا ہوا تھا اور رقم بھی پوری تھی حالانکہ اس دوران بے شمار لوگ کار پارکنگ میں آئے ہوں گے، لیکن کسی کی پرس پر نظر نہیں پڑی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سمجھ لیں۔

مجھے کس بات کی فکر ہے؟ ایک اور کردار جس نے مجھے بہت متاثر کیا وہ میرے دفتر میں کام کرنے والے چاچا عزیز تھے۔ وہ گزشتہ چھ سات سال سے میرے آفس میں ایک

چوکیدار کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ چار چوکیدار اور بھی تھے۔ یہ چوکیدار مجھ سے سفارشیں کراتے اور مجھ سے پوچھتے کہ صاحب! ہماری نوکری کب پکی ہوگی اور ہمارا مستقبل کیسے روشن ہوگا؟ لیکن چاچا عزیز نے مجھ سے یہ بات پوچھی اور نہ کبھی سفارش کروائی۔

میں نے ایک دن چاچا عزیز سے پوچھا ''آپ نے مجھ سے کبھی نوکری کے بارے میں نہیں پوچھا اور نہ اپنے پکے ہونے کی کبھی سفارش کروائی۔'' اس سوال پر انہوں نے جو جواب دیا وہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ انہوں نے کہا ''صاحب! اللہ تعالیٰ جہاں رحیم و کریم ہے وہاں رزاق بھی ہے۔ رزق دینے کا کام اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے لہٰذا ہم کون ہوتے ہیں کہ اس کے کام میں دخل دیں۔ اگر اس نے رزق میں کمی کرنی ہوگی تو کر دے گا اور اگر بڑھانا ہوگا تو بڑھا دے گا۔ میری عمر ۵۰ سال ہو گئی ہے۔ آج تک میں بھوکا نہیں سویا۔ میری ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، مجھے کس بات کی فکر ہے؟''

چاچا عزیز کا یہ جواب سن کر میں اتنا متاثر ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ ایک غریب اور ان پڑھ شخص کا اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسا اور اتنا ایمان۔

اتنی زیادہ تنخواہ اور سہولتیں میسر ہونے کے باوجود ہم پریشان اور تنگ دست رہتے ہیں اور اضافے کی خواہش رہتی ہے۔ کتنے آسودہ ہیں وہ لوگ جو قناعت پسند ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر توکل رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو مایوس نہیں کرتے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اس پرفتن دور میں اہل و عیال کی تربیت و اصلاح کے لیے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے ہمارے پروردگار ہمیں ہماری ازواج واولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

ہر قسم کے شرور و آفات

نیز وبائی امراض ڈینگی وائرس وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لیے مسنون دعا

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (ابوداؤد و ترمذی)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ آسمان اور زمین کی کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

سود قرآن کی نظر میں

مشتاق احمد مالک

بہت سے بظاہر متقی، پرہیز گار، عبادت گزار اور یہاں تک کہ علمائے دین سود کے بارے میں اپنے اذہان کو واضح نہیں کر سکے۔ ہر کسی نے اپنے جواز بنا رکھے ہیں۔ کچھ لوگ مجبوری کی حالت میں سود کو جائز سمجھتے ہوئے کھائے جا رہے ہیں جب کہ بعض تو اسے مکمل طور پر جائز تصور کرتے ہیں۔ برائی کا تصور مٹ جانا نہایت خطرناک امر ہے۔ مجبوراً سود کھا کے اللہ کریم سے معافی مانگنے سے بخشش کی امید کی جا سکتی ہے لیکن اگر برائی کو برائی ہی نہ سمجھا جائے تو شاید دل پر مہر لگنے والی بات ہو سکتی ہے۔

ایک آدمی باریش اور عبادت گزار تھا لیکن لوگوں کو سود پر قرضے دیتا تھا چشم فلک نے دیکھا کہ آخر کار خود بھی کنگال ہو گیا اور اولاد نے اسی دنیا کو باپ کے لیے جہنم بنا دیا۔ عقل مند تو وہ ہے جو کسی کو گرا ہوا دیکھے اور عبرت حاصل کرلے نہ کہ خود بھی کھائی میں گر کر تباہ ہو جائے۔ سرکاری ملازم بڑے فخر سے اظہار کرتے ہوئے پائے گئے کہ ساری زندگی لقمۂ حلال خود بھی کھایا اور اولاد کو بھی کھلایا لیکن حکومت کی طرف سے ملنے والی ریٹائرمنٹ کی اکٹھی رقم کو Fixed Deposit کی مد محض اس نیت سے کیا کہ شرح منافع زیادہ ہوگا۔

رشوت کو حرام جب کہ سود کو حلال تصور کیا جا رہا ہے۔ دوران ملازمت گاڑی حاصل کرنے کے لیے قرضہ معہ سود حاصل کیا اور دلیل یہ دی کہ بحالت مجبوری تو حرام بھی کھایا جا سکتا ہے جب کہ یہ تو صرف سود ہی ہے۔ اب بندہ پوچھے کہ گاڑی کے بغیر کیا زندہ رہنے کا حق سلب ہو رہا تھا۔ ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو بنک سے قرضہ لے کر حج وعمرہ کی سعادت بھی حاصل کرتے ہیں اور بنک اتنے نیک ابھی تک نہیں ہوئے کہ قرضۂ حسنہ اور وہ بھی بلا سود جاری کریں۔ ملکی اقتصادی صورت حال تو واقعتاً پریشان کن ہے ہی لیکن ایمان کامل تو اس بات کا متقاضی ہے کہ سب سے بڑے رازق کا دروازہ کھٹکھٹا کے فریاد کی جائے اور سودی کام سے اجتناب کیا جائے۔ بچوں اور بچیوں کی شادیاں، اچھی ملازمت کے حصول میں رشوت دینا اور بچوں کو باہر بھیجنا، سب سود پر جاری ہے۔ اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے کہ ہم اللہ کریم سے فریاد کرنے کی بجائے غلط کاریوں میں بہت دُور نکل گئے ہیں حالانکہ سودی کام اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ کتاب مقدس، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سود کا کیا مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (روز

اللہ سود مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے

قیامت) اس طرح اٹھیں گے جیسے کسی شخص کو شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو یہ (حال) اس لیے ہوگا کہ وہ کہتے ہیں کہ آخر تجارت بھی سود کی مانند ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا (سود خوری) سے تو وہ جو پہلے لے چکا تو وہ اس کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے اور جس نے پھر (سود) لیا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۲۷۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۲۷۸)

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو تم اصل سرمائے کے حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۲۷۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت کھاؤ دگنا چوگنا چڑھتا سود اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورہ آل عمران۔ آیت ۱۳۰)

جو لین دین کسی قسم کے سود کا تم کرتے ہو تا کہ لوگوں کے مالوں میں اضافہ ہو۔ تو اللہ کے نزدیک وہ اضافہ نہیں ہوتا۔ (سورہ الروم۔ آیت ۳۹)

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ چونکہ توبہ کو بھی پسند نہیں فرماتا ہے لہٰذا سورۃ النساء آیت ۱۷ میں توبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

"درحقیقت اللہ کے حضور توبہ کا حق محض انہیں لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اللہ باخبر اور بڑی حکمت والا ہے"۔ زر کی ہوس حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ لالچ میں اندھے لوگ حلال و حرام کی تمیز سے دور نکل گئے ہیں۔ ایک حد سے زیادہ دولت اور خواہش تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

نشہ دولت کا بداطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور شیطان چڑھا
شریروں کو دے گا جو تُو مال و دولت
گنہگار ہوں گے وہ تیری بدولت

اسی معاشرے میں روشن مثالیں بھی موجود ہیں۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا سے ریٹائر ہونے والے نامور محقق اور عالم دین پروفیسر صفدر گوندل نے پراویڈنٹ فنڈ پر ملنے والا منافع جو لاکھوں میں بنتا تھا حکومت کو واپس کر دیا۔ صاحب زادے کو ایم کام کے بعد نیشنل بنک میں سنیئر افسر رکھ لیا گیا۔ بیٹے نے باپ کی نصیحت پر لبیک کہا اور بنک کی افسری چھوڑ کر ہائی سکول میں استاد کی حیثیت میں پڑھانے کو ترجیح دی۔ ابھی بھی ایک غالب اکثریت بذریعہ درخواست حکومت کی طرف سے G.P.F پر منافع لینے سے معذرت کر رہی ہے۔ انعامی سکیموں اور پرائز بانڈ سے بہت سے لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور انشورنس سے بھی بہت سے لوگ کنی کترا جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سود سے محفوظ فرمائے آمین۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

ویل ڈن مائی ڈیئرز، ویل ڈن

ہمیں آپ پر فخر ہے

محمد شہزین خالد

لفظوں کو محبت و اخلاص کا حسن و جمال بخشنے والے عاشق رسول معروف کالم نگار، ہر دلعزیز، مجاہد تحفظ ناموس رسالت، محترم ڈاکٹر عامر لیاقت حسین جنہیں بدنام زمانہ گستاخ رسول سلمان رشدی کے خلاف کالم لکھنے کی پاداش میں وفاقی وزارت سے علیحدہ، قومی اسمبلی سے استعفا اور ایم کیو ایم کی بنیادی رکنیت سے خارج ہونا پڑا۔ سچ گوئی اور اظہار جرأت و حیا کی پرمبنی کالموں کی اشاعت کے بعد ان پر مصائب و تکالیف کے کئی پہاڑ توڑے گئے، مگر وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ ان کے کالم کا ہر لفظ گستاخان رسول کے لیے غازی علم الدین شہید کا خنجر ثابت ہو رہا ہے۔

سترہ سالہ دانیال جس کے ایک انکار نے اسلام آباد کی اشرافیہ کو حیران نہیں بلکہ پریشان کر دیا۔ انکار کا یہ واقعہ پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس کے ڈرامہ ہال میں 6 نومبر 2008ء کو پیش آیا، جہاں وفاقی دارالحکومت کے ایک معروف انگلش میڈیم سکول کی تقریب اختتامات جاری تھی، رمضان المبارک کے باعث یہ تقریب صبح دس بجے سے بارہ بجے کے درمیان منعقد کی گئی اور اتوار کا دن ہونے کے باعث ڈرامہ ہال طلبا و طالبات اور اُن کے والدین سے بھرا ہوا تھا، ان والدین میں شہر کے لوگ بھی شامل تھے، اس تقریب پر مغربی ماحول اور مغربی موسیقی غالب تھی..... اس دوران سکول کی طالبات نے جنید جمشید کے ایک پرانے گیت پر رقص پیش کیا، یہ گیت ایک سانولی سلونی کے بارے میں تھا، جو شہر کے لڑکوں کو اپنا دیوانہ بنا لیتی ہے، ادھر طالبات نے اس گیت پر دیوانہ وار رقص کیا۔ رقص کے بعد اسٹیج سے او لیول اور اے لیول کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا و طالبات کے نام پکارے جانے لگے، گولڈ میڈل حاصل کرنے والی بعض طالبات اسکارف اور برقعے میں ملبوس تھیں، ایک طالب علم ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر نئی ڈاڑھی آئی تھی اور جب پرنسپل صاحب نے اس کے گلے میں گولڈ میڈل ڈال کر اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا تو دبلے پتلے طالب علم نے

کوئی کسی کے ساتھ جیسا کرتا ہے اس کا انجام بھی ویسا ہی پاتا ہے

نظریں جھکا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پرنسپل صاحب نے پوچھا کہ کیا تم ہاتھ نہیں ملانا چاہتے؟ طالب علم نے نفی میں سر ہلایا اور اسٹیج سے نیچے اتر آیا، پھر دانیال کا نام پکارا گیا، جو اے لیول مکمل کرنے کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور صرف گولڈ میڈل حاصل کرنے اپنے پرانے سکول کی تقریب میں بلایا گیا تھا، وہ گولڈ میڈل وصول کرنے کے لیے پرنسپل صاحب کی طرف نہیں گیا بلکہ ڈائس پر جا کر کھڑا ہوا اور مائیک تھام کر کہنے لگا کہ وہ اپنے اسکول کی انتظامیہ کا بہت شکر گزار ہے کہ اسے گولڈ میڈل کے لیے نامزد کیا گیا، لیکن اسے افسوس ہے کہ اس تقریب میں طالبات نے رمضان المبارک کے تقدس کا خیال نہیں کیا اور واہیات گیت پر رقص کیا، اس نے کہا مسلمانوں کے ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی کے خلاف بطور احتجاج وہ گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا، یہ کہہ کر وہ اسٹیج سے اتر آیا اور ہال میں ہڑبونگ مچ گئی۔

کچھ والدین اور طلبا تالیاں بجا کر دانیال کی حمایت کر رہے تھے اور کچھ چیخیں، گیٹ آؤٹ طالبان، گیٹ آؤٹ طالبان!! ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مخالفین حاوی ہیں، کیونکہ وہ بہت زیادہ شور کر رہے تھے، لیکن یہ حلیلی وفاقی دارالحکومت کی اشرافیہ میں ایک اور واضح تقسیم کا پتا دے رہی تھی، یہ تقسیم لبرل عناصر اور بنیاد پرست اسلام پسندوں کے درمیان تھی۔ پرنسپل صاحب نے خود مائیک سنبھال کر صورت حال پر قابو پایا اور تھوڑی دیر کے بعد ہوشیاری سے ایک خاتون دانش ور کو اسٹیج پر بلایا اور خاتون نے اپنی گرج دار آواز میں دانیال کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی تعلیمات کے خلاف تھا، کیونکہ بانی پاکستان رواداری کے علم بردار تھے۔

پچھلی نشستوں پر براجمان ایک اسکارف والی طالبہ بولی کہ بانی پاکستان نے یہ کب کہا تھا کہ مسلمان بچیاں رمضان میں اپنے والدین کے سامنے سانولی سلونی محبوبہ بن کر ڈانس کریں؟ ایک دفعہ پھر ہال میں غل بلند ہوا اور اس مرتبہ بنیاد پرست حاوی تھے، لہٰذا پرنسپل صاحب نے مائیک سنبھالا اور کہا کہ طالبات کے رقص سے اگر کسی کے جذبات مجروح ہوئے ہیں تو وہ معذرت خواہ ہیں، اس واقعے نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، سفارت خانے نے فوری طور پر ایک ماہر تعلیم کی خدمات حاصل کیں اور اسے کہا گیا کہ وہ اسلام آباد کے پانچ معروف انگلش میڈیم اسکولوں میں او لیول اور اے لیول کے ایک سو طلبا و طالبات سے

بھلائی کرنے سے شان میں کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی ہوتی ہے

امریکی پالیسیوں، طالبان اور اسلام کے بارے میں رائے معلوم کریں۔ سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ ایک عام گناہ گار مسلمان بھی شعائر اسلامی کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔ اور اُس کے تحفظ کے لیے وہ ہر حد عبور کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) امریکہ کے ہونہار طالب علم محترم صدخرم جنہوں نے 18 جون 2008ء کو نیشنل آرٹ گیلری اسلام آباد میں منعقدہ تقریب تقسیم اکیڈمک ایکسیلنٹ ایوارڈ میں مہمانِ خصوصی امریکی سفیر این ڈبلیو پیٹرسن (N.W.Patterson) سے احتجاجاً ایوارڈ وصول کرنے سے انکار کیا اور اُن سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ امریکہ صدر پرویز مشرف کی حمایت کرتا ہے جو غیر آئینی صدر ہے اور پاکستان کے عدالتی نظام کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ مزید برآں امریکہ، ڈرون طیاروں کے ذریعے وزیرستان بالخصوص مہمند ایجنسی پر بمباری کر رہا ہے جس سے سیکڑوں معصوم اور بے گناہ افراد شہید ہوتے ہیں، لہٰذا بحیثیت پاکستانی آپ سے ایوارڈ لینا میں اپنی ملی غیرت کے منافی سمجھتا ہوں۔

پنجاب یونیورسٹی لاء کالج کے سالانہ کانووکیشن کے موقع پر ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے محب وطن طالب علم محترم محمد شاہد جنہوں نے 11 اکتوبر 2009ء کو مہمانِ خصوصی گورنر پنجاب سلمان تاثیر (چانسلر پنجاب یونیورسٹی) سے احتجاجاً گولڈ میڈل لینے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ اسلام اور پاکستان کے مفادات کے خلاف بیانات دیتے رہتے ہیں۔ مزید آپ نے 12 مئی 2008ء کو کراچی کے شرمناک واقعات کی کوئی مذمت نہیں کی، لہٰذا میں آپ سے ایوارڈ لینا اپنے ضمیر کے خلاف سمجھتا ہوں۔

OFP گرلز کالج اسلام آباد کی (اے لیول کے امتحان میں تمام مضامین میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی) غیور طالبہ محترمہ اسما وحید جنہوں نے 22 جنوری 2010ء کو کالج میں امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں مہمان خصوصی ایم کیو ایم کے مرکزی رہنما اور وفاقی وزیر (سمندر پار پاکستانیز) ڈاکٹر فاروق ستار سے احتجاجاً سرٹیفکیٹ وصول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ کا شمار صدر پرویز مشرف کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ جس نے کئی بے گناہ پاکستانیوں کو بھاری ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کیا۔ ان میں ایک ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی شامل ہے۔ اس جرم میں آپ بھی برابر

کے شریک ہیں، لہٰذا آپ سے ایوارڈ وصول کرنا میں اپنی ہتک محسوس کرتی ہوں۔

دی یونیورسٹی آف فیصل آباد سے ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے، نیک بخت طالب علم محترم صاحبزادہ عطا رسول مہاروی جنہوں نے 16 نومبر 2009ء کو یونیورسٹی کے سالانہ کانووکیشن میں مہمان خصوصی اس وقت کے گورنر پنجاب سلمان تاثیر سے احتجاجاً براؤنز میڈل وصول کرنے سے انکار کیا اور حقارت سے کہا کہ آپ نہ صرف گستاخانِ رسول کی سرپرستی کرتے ہیں، بلکہ توہین رسالت ایکٹ 295/c کو کالا قانون، اور اسے ختم کرنے کے بیانات بھی جاری کرتے ہیں۔

اس طرح آپ بذات خود توہین رسالتؐ کے مرتکب ہوئے ہیں، لہٰذا آپ سے میڈل وصول کرنا میں گناہ سمجھتا ہوں۔

اسلام اور پاکستان کی سرحدوں کے ان سچے محافظوں کو جب میں دیکھتا ہوں تو اقبال کی زبان میں سوچتا ہوں۔

ایسی چنگاری بھی یارب، اپنی خاکستر میں تھی

ویل ڈن مائی ڈیئرز، ویل ڈن، وی آر آل پراؤڈ آف یو!

پوری ملت اسلامیہ آپ کی دینی غیرت وحمیت پر آپ کو اور آپ کے والدین کو سلیوٹ کرتی ہے۔ بقول اقبال ؎

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

☆ رشتے بغیر رجسٹریشن فیس میچ کروائیں! ☆

بے شک جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں

آل پنجاب سے ہر قسم کے اشخاص رابطہ کریں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے رشتوں کا با اعتماد ادارہ۔ فرسٹ لیٹ میرج/ سیکنڈ میرج/ اچھی کلاس کے رشتے میچنگ کے لیے ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔

Cell:-0333-4234004,0302-6889992

ہجری سال کی ابتداء و اہمیت

قارئین کرام! اسلام سے قبل عیسوی سال و مہینوں کی ترتیب سے تاریخ لکھی جاتی تھی اور اہل اسلام میں تاریخ لکھنے کا رواج نہ تھا۔ دور فاروقی میں اہل حل وعقد نے اس کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ یہاں تک کہ ۱۷ھ میں ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ امارت اسلامیہ کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو خطوط روانہ کیے جاتے ہیں مگر ان میں تاریخ نہیں لکھی ہوتی، اگر تاریخ لکھنے کا اہتمام ہو جائے تو اس میں بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً

(۱).....کہ پتہ چل جائے گا کہ کون سے دن آپ کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا۔

(۲).....کب یہ حکم متعلقہ حکام تک پہنچا۔

(۳).....کب اور کس تاریخ کو اس پر عملدرآمد ہوا وغیرہ۔ حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا چنانچہ انہوں نے اکابر صحابہ کرامؓ کو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی اور مشورہ کے لیے جمع کیا۔

اختلاف آراء: اکابر صحابہ کرامؓ کی طرف سے چار قسم کی مختلف آراء سامنے آئیں۔

(۱).....بعض صحابہ کرامؓ کا مشورہ تھا کہ آپ ﷺ کی ولادت کے سال سے اسلامی تاریخ، اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔

(۲).....بعض نے کہا نبوت کے سال سے اسلامی سال شروع کیا جائے۔

(۳).....بعض نے فرمایا کہ ہجرت سے اسلامی سال کا آغاز کیا جائے۔

(۴).....کچھ حضرات نے کہا آپ ﷺ کے وصال سے اسلامی سال کی ابتدا ہو۔ الغرض ان مختلف آراء پر کافی غور وخوض و مباحثے کے بعد حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء زیادہ مناسب ہے۔

خصوصیات: (۱).....ہجرت کی برکت سے حق و باطل کے درمیان واضح فرق و امتیاز پیدا ہوا۔ (۲) ہجرت سے ہی اسلام کو عظیم الشان دبدبہ ملا۔ (۳) ہجرت کے سال سے ہی نبی اکرم ﷺ اور مسلمان سلامتی و امن کے ساتھ بلا خوف وخطر رب کی عبادت کرنے لگے۔

(۴).....ہجرت کے سال ہی مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ ان تمام خصوصیات کی بنا پر اکابر صحابہ کرامؓ کا اجتماعی

محرم کے مہینے سے اسلامی سال کی ابتدا کا حکم حضرت عمرؓ نے دیا

متفقہ فیصلہ ہوا کہ ہجرت کے سال سے اسلامی تاریخ لکھنے کا رواج عام کیا جائے۔

دوسرا مسئلہ: دوسرا مسئلہ یہ پیش آیا کہ ہجرت کے سال سے اسلامی سال کی ابتدا تو ہوگئی۔ اب کون سا مہینہ پہلے نمبر پر ہوگا یعنی کس مہینے سے اسلامی مہینوں کی ابتدا عمل میں لائی جائے۔ (۱) رجب کے مہینے سے (۲) رمضان کے مہینے سے (۳) محرم کے مہینے سے (۴) ربیع الاوّل کے مہینے سے۔

فیصلہ: حضرت عمرؓ نے محرم کے مہینے سے اسلامی سال کے مہینوں کی ابتدا دو وجہ سے کی (۱) انصار نے بیعت عقبیٰ کے موقع پر مدینے آنے کی دعوت دی چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو محرم کے مہینے میں ہجرت کے لیے روانہ کرنا شروع فرمایا۔ (۲) حجاج کرام حج کی سعادت کے بعد ماہ محرم میں اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے سب کا متفقہ فیصلہ اور اجماع ہوا اس طرح محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار پایا۔

ماخذ: یہ مکمل تفصیل بخاری شریف صفحہ نمبر ۵۲۰ جلد نمبر ۱ حدیث نمبر ۳۹۳، ۷۹۴ کے تحت شرح فتح الباری مطبع دارالریان صفحہ نمبر ۳۱۵ جلد نمبر ۷ مطبع اشرفیہ دیوبند وغیرہ میں موجود ہے۔

حکمت اس فیصلے کی: باقی رہی یہ بات کہ اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ولادت یا نبوت سے ابتدا کی جاتی تو اختلاف ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ولادت یا نبوت کا دن متعین نہیں ہے۔ اس طرح وصال کی تاریخ بھی متعین نہیں ہے نیز وصال کا سال مسلمانوں کے غم وصدمے کا سال تھا۔ اس لیے ہر صورت مناسب تھا کہ ہجری سال سے ابتدا کی جاتی جس میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

تقاضا: اس ساری گفتگو کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اپنی شادی بیاہ، خوشی غمی، سفر کی تاریخ، کاروبار شروع کرنے کی تاریخ، معاملات، معاشرت غرضیکہ تمام قسم کے پروگراموں میں نمایاں طور پر اسلامی تاریخوں کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ اس کی برکت سے ہمارے پروگراموں میں نورانیت آئے گی اور اپنے بچوں میں اسلامی تاریخ کا جذبہ اجاگر ہوگا۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆.....برائے ایصال ثواب.....☆

مولانا نعیم اللہ حیدر صاحب (نگران شعبہ حفظ دارالعلوم ہٰذا) کے والد محترم اور شبیر احمد (عرف بھائیا) حال ہی میں انتقال فرما گئے ہیں۔ قارئین ندائے اجود سے التماس ہے کہ وہ مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے دعا فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

محمد اقبال اعظم

مجھے یاد ہے جمعۃ المبارک کی مبارک گھڑی عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کرسی پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور مغرب تک درودوسلام کی پاک محفل منعقد ہوا کرتی تھی، حضرتؒ صاحب خود درودوسلام پڑھتے تھے اور محفل میں بیٹھنے والے تمام حضرات حضرتؒ کی پیروی میں درودو سلام پڑھتے تھے۔ بیچ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا کوئی نہ کوئی وعظ و نصیحت کی بات کرتے۔ بولنے کا انداز اتنا شائستہ اور پیارا ہوتا کہ ہر کہی ہوئی بات دل میں اُترتی جاتی تھی۔ رُک رُک ٹھہر ٹھہر کر بولتے دھیمے مگر نہایت پیارے انداز سے ساتھ ساتھ درودوسلام پڑھتے اور سمجھاتے رہتے کہ زندگی کو کس طرح شریعت پر کاربند رہ کر گزارنا ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ پر نہایت اعلیٰ پیرائے میں گفتگو کرتے تھے۔ اللہ میری توبہ، اللہ میری توبہ، یہ الفاظ وہ ساتھ ساتھ کچھ توقف کر کے بولتے رہتے۔ دم کرانے کے لیے ایک ایک کر کے لوگ ان کی کرسی کے قریب بیٹھ جاتے اور حضرت دم بھی کرتے اور پیار دیتے خاص کر چھوٹے بچوں سے بہت محبت کا اظہار کرتے تھے۔ کچھ لوگ بوتلوں میں پانی بھر کر لاتے تھے جس کو وہ حضرتؒ سے دم کرواتے اور یہ پُرنور محفل رفتہ رفتہ لوگوں کے اضافے سے اور زیادہ پرنور ہو جاتی تھی۔ حضرتؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جنتی شخصیت کرسی پر براجماں ہے۔ بات کرنے میں اور انداز میں کسی طرح کا بھی غرور اور تکبر نہیں تھا بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وقت تھم جائے اور ہم ایک جنتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرتے جائیں۔

ایک دن فرمانے لگے نور جہاں یہاں آیا کرتی تھیں اور پاؤں میں بیٹھ جاتی تھیں۔ میں نے کہا کہ اوپر صوفے پر بیٹھو، کہتی تھی شاہ صاحب مجھے آپ کے پاؤں میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔ آگے فرمانے لگے۔ ایک حج بھی نور جہاں نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔ علمائے کرام کا بڑا احترام کرتی تھی۔ بہر حال میں تو اتنا کہوں گا کہ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ پتا

نہیں اپنی پوری زندگی آپؒ نے کتنی ہی خلقت کو راہ راست دکھلائی اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔

جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کا یہ احسان تا قیامت نہیں بھلا سکتا۔ آپ کی دینی، ملی اور تمام مکاتب فکر کے علما کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر انہیں یکجا کرنے کا سہرا بھی آپ کے سر بندھتا ہے۔ اتفاق و اتحاد پیدا کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دین کی خدمت میں اپنی ساری زندگی کھپا دی اور کبھی ناراضگی، ناامیدی ان کے چہرے پر نہیں آئی۔ بم دھماکے اور دہشت گردی عروج پر تھی۔ آپ پُرزور مذمت کرتے اور مسلمانوں کو ایک کلمہ لاالٰہ الااللہ پر اکٹھے ہونے کا درس دیتے۔ حضرت گنج بخشؒ کے مزار پر دھماکے کا سنا تو سخت افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اللہ والوں کی جگہوں کو تم کم از کم بخش دو اور ہمیشہ دُعا میں فرماتے یا الٰہی پوری اُمت کو سچے دل سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے آمین۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اللہ تعالیٰ مولانا اشرفیؒ پر لاکھوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

بلی پر ظلم جہنم میں لے گیا

ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ میں ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں "جہنم میرے قریب کی گئی۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی پنجے مار رہی ہے۔ میں نے (وہاں موجود خدمہ داران سے) پوچھا! اس عورت کا کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا یہ بلی اس عورت کا نقصان کر جاتی تھی جس کی وجہ سے اس عورت نے اس بلی کو باندھ دیا حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

یہ اس قدر ظالم تھی کہ نہ تو اس نے اس بلی کو کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین پر چلنے پھرنے والے جاندار (چوہے وغیرہ) کھا لیتی۔

قارئین کرام! میرے حضور ﷺ کا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو میرے حضور ﷺ کے قریب کر کے ایک نظارہ دکھلایا، نظارہ یہ تھا کہ پہلی قوموں میں سے کسی قوم کی ایک عورت نے بلی کے ساتھ جو ظلم کیا، اللہ نے اس ظلم کی سزا کا منظر دکھلایا تا کہ حضور ﷺ کے ذریعے قیامت تک کے لیے محمد ﷺ کی امت کو بتلا دیا جائے کہ اللہ ظالم کو نہیں چھوڑتا اور مظلوم کو بدلہ دلاتا ہے۔ اب وہ جہنم اس بلی کے لیے نگار تھی جب کہ عورت کے لیے دہکتی، بھڑکتی، جوش مارتی آگ تھی۔ وہاں بلی اپنا بدلہ لے رہی تھی۔

(بحوالہ: رویے میرے حضور ﷺ کے)
(انتخاب: میمونہ حیات۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ)

حجاب

بنت حوا

دین اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور اس کا ہر حکم سراپا حکمت پر مبنی اور لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ رب کریم سورۂ احزاب: ۵۹ میں حکم فرماتا ہے کہ "اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونہوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر اُن کے لیے موجب شناخت (امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے"۔

قیمتی اشیا کو پردے میں رکھنا عقل اور فطرت دونوں کا مشترکہ تقاضا ہے۔ حجاب ہم عورتوں کا فخر بھی ہے اور حق بھی۔ یہ ایک عزت و تکریم ہے جو ہمیں ہمارے رب نے عطا کی ہے۔ یہ ایک ایسا تحفظ ہے جو ہمیں وقار عطا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے ہم تمام زمانے کو انکار کر دیتے ہیں کہ ہماری زینت تمہارے لیے نہیں ہے۔ حجاب میں عورت ویسے ہی محفوظ ہوتی ہے جس طرح سیپ میں موتی محفوظ رہتا ہے۔

افسوسناک امر ہے کہ مغربی تہذیب اور مسلم ممالک میں مغربی تہذیب کے علم بردار لوگ خواتین کے پردے کی وجہیں اُڑانے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں۔ یورپ نے یہ بہانہ تراشا ہے کہ وہ مسلمان خواتین کے حجاب اُتار کر انہیں آزادی دلانا چاہتے ہیں حالانکہ ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر وہ مسلمان خواتین کے اتنے ہی خیر خواہ ہیں تو اُنہوں نے مسلمان ممالک کو غلام بنایا ہی کیوں؟ مغلوب مسلمان ممالک پر اپنا مغربی نظامِ تعلیم ٹھونسا اور ماڈرن ازم کی آڑ میں مسلم خواتین کی شرم و حیا اور نسوانیت کا خون کیا۔ عیسائی مشنریوں کا اوّلین نشانہ بھی مسلمان مائیں ہی رہیں۔ مغربی تہذیب سے محبت کرنے والے ماڈرنسٹ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو حقوق مغربی تہذیب نے عورت کو دلوائے ہیں وہ کسی مذہب نے نہیں دیے جب کہ درحقیقت جو استحصال عورت کا مغربی معاشرے میں ہو رہا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

مغربی معاشروں میں آج اخلاقی تنزلی، شادی کی گرتی ہوئی شرح، طلاق کی

ماں کے قدموں تلے جنت ہے

بڑھتی ہوئی شرح، فیملی سسٹم کی تباہی اور جنسی بیماریوں کی کثرت اسی So-called آزادی کی مرہون منت ہے۔ وہ چیز جسے ''آزادئ نسواں'' کہا جاتا ہے حقیقت میں ''بربادئ نسواں'' اور ''آوارگی نسواں'' ہے۔ پرانے وقتوں میں عورتوں کا سرِ عام استحصال ہوتا تھا۔ جدید تہذیب میڈیا کی مدد سے خوبصورت الفاظ کے لبادے میں عورت کا پچھلے وقتوں سے بھی زیادہ استحصال کرتی ہے۔ پہلے معصوم بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ آج جدید ٹیکنالوجی مثلاً الٹرا ساؤنڈ کی مدد سے لڑکیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم کردیا جاتا ہے۔ مغربی تہذیبوں میں پچھلے وقتوں کی طرح آج بھی بچوں والی عورتوں کو بعض مرد چھوڑ دیتے ہیں لیکن آج اسے Single Parent Family کا خوبصورت لیبل دے دیا گیا ہے۔ پرانے وقتوں میں عورت لونڈی کے طور پر بازار میں بکتی تھی۔ آج مارکیٹ میں لونڈی کے طور پر بکنے کی بجائے عورتیں سرمایہ کاروں، فلمی صنعت کاروں اور میڈیا کے لیے ماڈل گرلز، گلوکارہ یا اداکارہ کے طور پر اپنی عصمت و پاکدامنی فروخت کرتی ہیں۔ عورتوں کے مقابلۂ حسن میں ماڈل گرلز اور سٹیج پر رقاصاؤں میں شخصیت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ان کی حیثیت ایک خوبصورت جانور سے زیادہ نہیں جس کی نمائش کی جاتی ہے اور لوگ اسے دیکھ کر داد عیش دیتے ہیں۔ اسلام میں عصمت فروشی ہر لحاظ سے حرام ہے۔

شوبز کی ماڈل گرلز، ٹی وی فلم کی اداکاراؤں اور ہیروئنوں کی شہرت کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور ان کی ڈھلتی جوانی میں انہیں کتے کی طرح گمنامی کی نوکری میں پھینک دیا جاتا ہے اور دوسری جوان عورتوں کی طرف متوجہ ہوا جاتا ہے دراصل یہ سب عورت کی اصل شناخت، قیمت، قوت اور تاریخ کو مٹانے کے مترادف ہے۔ یہ عورت پر بدترین قسم کا ظلم ہے اور مغرب کی خواتین کو اب یہ بات سمجھ آرہی ہے جب کہ جوان پڑھی لکھی مغربی خواتین کو اسلام کی انصاف پسند تعلیمات بے حد پرکشش محسوس ہو رہی ہیں۔

ہر دین کی ایک خصوصیت ہوتی ہے اور اسلام کی خصوصیت شرم وحیا ہے۔ لفظ ''حیا'' کا مادۂ اصل عربی زبان میں ''حیات'' سے ہے جس کا مطلب ''زندگی'' ہے۔ یعنی امتِ مسلمہ کی زندگی ''شرم وحیا'' سے ہے اور بے حیائی میں مسلمان قوم کی موت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اگر تم حیا نہ کرو تو جو چاہو کرو۔'' (بخاری)

عورتیں معاشرے کا جسمانی لحاظ سے

کمزور حصہ ہیں اور مرد مضبوط۔ جب بھی مضبوط اور کمزور کا آزادانہ میل جول ہوگا تو مضبوط کمزور کا استحصال کرے گا۔ اس لیے ہمارے دینِ اسلام نے معاشرے میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط اور میل جول کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ اسلام بُرائی کو جڑ سے اُکھاڑتا ہے۔ خواتین کے چہرے کو نامحرم مردوں کی نگاہوں سے چھپا دیا جائے تو معاشرے میں مردوں اور عورتوں میں ایک قسم کا سماجی فاصلہ قائم ہو جاتا ہے جس سے مردوں کے لیے خواتین کا جسمانی یا نظری استحصال کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ چہرے کا پردہ نہ تو پہننے والی کو علیحدگی دیتا ہے اور نہ گمنامی لیکن اسے بغیر چہرے کے، وجود اور پوشیدگی عطا کرتا ہے اور نقاب پہننے والی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ سماجی تعلقات کے خطرات سے محفوظ رہتے ہوئے بھی اس کا حصہ بن سکیں۔

اسلامی حجاب کا مقصد مرد و زن کے اخلاق کی حفاظت کرنا ہے۔ یہ عورت کو معاشرے کے استحصال سے آزادی بخش کر نہایت بلند و بالا مقام عطا فرماتا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے تو بہن بھائی کا فخر، بیوی شوہر کے گھر کی نگران ہے تو بیٹی گھر کی رونق اور اللہ کی رحمت۔ غرضیکہ اسلام عورت کو ہر رُوپ میں کمال احترام و اکرام بخشتا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ مغربی تہذیب تمدن زدہ لوگ مسلمان عورتوں کے نقاب پر تو اعتراض کرتے ہیں لیکن میڈیکل ماسک یا نقاب کی اہمیت کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نقاب اور میڈیکل ماسک میں آخر فرق کیا ہے؟ دراصل نقاب عورت پر پابندی کے لیے نہیں بلکہ خود اسی کے فائدے کے لیے ہے۔ یہ چہرے کی جلد کی بھی بے شمار طریقوں سے حفاظت کرتا ہے۔ مسلم عورت خود تو نقاب میں سے ساری دُنیا کو دیکھتی ہے لیکن دوسرے اسے نہیں دیکھ سکتے۔ لفظ "عورت" عربی لفظ "عورۃ" سے ہے جس کے معنی "چھپی ہوئی چیز" کے ہیں۔

ہمارا پیارا دینِ اسلام عورت کو پردے کی حدود میں ضرورت کے تحت باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے البتہ معاشرے میں جہاں کہیں عورتوں مردوں کے اختلاط اور فتنے کا ذرہ برابر اندیشہ ہو وہاں اسلام ڈھیل دینا برداشت نہیں کرتا۔ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی عفت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح "لاتقربوالزنا" (بدکاری کے قریب بھی مت جاؤ) کے قرآنی حکم کے تحت وہ دروازہ بند کر دیا گیا جو انسان کو برائی کی طرف اُبھارے۔ سورۂ احزاب: ۳۲ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ مردوں سے دبی زبان (نرم لہجے)

سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ حدیث نبوی ﷺ ہے "کوئی شخص کسی نامحرم عورت کے پاس مت داخل ہو، سوائے اس کے کہ اس شخص کے ساتھ ایک یا دو مرد ہوں" (صحیح مسلم)

"اجنبی مردوں میں زینت کے ساتھ ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روزِ قیامت کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں۔" مسلمان عورتوں کو باہر خوشبو لگا کر نکلنے سے منع کیا گیا۔" (ترمذی)

نماز جیسی مقدس محفل میں بھی عورتوں اور مردوں کی مخلوط محفل کی اجازت نہیں دی گئی تو باقی حالات میں اسلام کیسے مخلوط محفلوں کی اجازت دے سکتا ہے۔ چاہے وہ مخلوط تعلیم ہو یا سواریاں، مخلوط نوکریاں ہوں یا پارکوں، تفریح گاہوں یا ہوٹلوں میں بے پردگی، پردہ عورت کو تحفظ، خلوت اور چلتی پھرتی گوشہ نشینی (Privacy) دیتا ہے جسے عورتیں فطرتاً پسند کرتی ہیں۔

مسلم خواتین کا بناؤ سنگھار اور تیاری اپنی ذات، قریبی محرم رشتہ داروں اور خصوصاً اپنے شوہر کے لیے محدود ہے اس کی نسوانیت، خوبصورتی، زیب و زینت کوئی سستی چیز نہیں جس کی پبلک میں نمائش کی جائے۔

اسلامی حجاب و نقاب دراصل ایک آزاد عورت کا تصور پیش کرتا ہے جو کہ اپنی اقدار و روایات سے آزاد نہیں ہوتی بلکہ نمود و نمائش اور مردوں کی نگاہوں سے عصمت دری سے آزاد ہوتی ہے۔ نقاب تو ہمیشہ سے آزادی کی علامت رہا ہے۔ اسی وجہ سے لونڈیاں چہرے کے پردے سے مستثنیٰ تھیں کیونکہ ان کے پاس آزادی نہیں ہوتی تھی اور چہرے کا پردہ آزاد عورتوں کی علامت ہے۔ وہ جنسی استحصال سے آزاد، عریاں فلم اور میڈیا سے آزاد، اپنی عفت کو گاڑیوں اور کوکا کولا کے اشتہاروں میں استعمال ہوتا دیکھنے سے آزاد ہے۔ یہ دراصل مغربی عورت ہے جسے مردوں نے اپنے ہاتھ کا کھلونا بنایا ہوا ہے۔

مگر بدقسمتی ہماری کہ آج اکثر مسلمان بہنوں کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ ہم سے کتنی قیمتی چیز چھینی جا چکی ہے جو ہماری بہت بڑی محافظ اور موجب عزت و اکرام تھی۔ ہماری اسلامی روایات کو ہم سے چھیننے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے لیکن ہم نے اپنی جڑوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا ہے اور ان شاء اللہ ہم مسلم خواتین پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کرنے میں اپنا اہم کردار ضرور ادا کریں گی۔ اللہ پاک ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے اور کافروں کا مقابلہ کرنے میں استقامت عطا فرمائے آمین۔ ☆

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے

یارتا ہوا... امریکہ

عرفان صدیقی

نائن الیون کے فوراً بعد جارج ڈبلیو بش نامی شہنشاہ عالم پناہ کی رعونت بھری پھنکار سنائی دی تھی۔ ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹا گون کو نشانہ بنانے والے کو نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔ اس دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والوں کو ''انصاف'' کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو ''انصاف'' کو ان تک پہنچا دیا جائے گا''۔ اس اعلان کے صرف ستائیس دن بعد امریکی انصاف کا قہرناک لشکر افغانستان کی لٹی پٹی بستیوں کی ادھڑی ہوئی منڈیروں تک پہنچ گیا۔ اس شب تقریباً چالیس لڑاکا بمبار طیاروں نے بیک وقت کابل، جلال آباد، قندھار اور مزار شریف پر حملہ کیا۔ جن پر حملہ ہوا ان کے پاس فضائی معرکہ لڑنے والے لڑاکا طیارے تھے نہ انہیں نشانہ بنانے والی توپیں، طیارہ شکن میزائل نہ آتش و آہن کی اس برسات کا مقابلہ کرنے کا کوئی سامان۔ دنیا کی سب سے بڑی عسکری قوت، دنیا کی سب سے نہتی قوم پر ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ قوم جو گزشتہ دو دہائیوں سے ایک طویل جنگ کی تباہ کاریوں سے نڈھال تھی۔ اگلے روز بش نے شادماں و فرحاں امریکی قوم سے عہد کیا۔ ''طالبان کو حکم عدولی کی قیمت ادا کرنا ہوگی''۔ اس کی رعونت میں اخلاقیات کی ساری حدیں پھلانگ جانے والے ٹونی بلیئر نے اعلان کیا۔ ''ہمارا الٹی میٹم نہ ماننے والے طالبان اب نتائج کا سامنا کریں۔'' تب اسلام آباد کے ایک گھر میں، جسے افغانستان کا سفارت خانہ کہا جاتا تھا بیٹھے ملا عبدالسلام ضعیف نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا ''امریکہ کے اتحادی دراصل مٹھی بھر غلام ہیں جو کبھی کامیاب نہیں ہوں گے اور امریکہ کو ان حملوں کی ایسی قیمت ادا کرنا پڑے گی جس کا وہ اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

امریکہ کو واقعی اس قیمت کا کچھ اندازہ ہو گمان نہ تھا جو وہ گزشتہ گیارہ برس میں ادا کر چکا ہے اور جنگ کے باضابطہ خاتمے کے بعد بھی سالہا سال تک ادا کرتا رہے گا۔ 2011ء میں امریکہ کی براؤن یونیورسٹی کے واٹسن انسٹیٹیوٹ فار انٹرنیشنل اسٹڈیز نے آئزن ہاور ریسرچ پروجیکٹ کے تحت ''کاسٹ آف وار'' (Cost of war) نامی ایک خصوصی گروپ تشکیل دیا۔ اس گروپ میں نامی گرامی معیشت دان، ماہرین آئین و قانون، سیاستدان اور معاشرے کے نمائندہ افراد شامل تھے۔ اس گروپ نے زبردست محنت و ریاضت کے بعد اپنی مرتب کردہ رپورٹ میں بتایا کہ تمام اخراجات کو یکجا کیا

جائے تو افغانستان اور عراق پر امریکی یلغار کا مجموعی خرچہ ۳۲ کھرب ڈالر سے ۴۰ کھرب ڈالر تک ہے۔ جنگ کے سمٹاؤ کا عمل شروع ہو جانے کے باوجود اگلے آٹھ برس کے دوران پنٹاگون کو کم از کم ۱۴۵۰ ارب ڈالر مزید خرچ کرنا پڑیں گے۔

عراق، افغانستان اور بالواسطہ پاکستان پر مسلط کی جانے والی اس حیاباختہ جنگ کے لیے امریکہ کو کھربوں ڈالر کا قرضہ لینا پڑا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ساری کی ساری جنگ ادھار کے پیسوں پر لڑی گئی۔ امریکی قرضوں کا حجم ۱۶۰ کھرب ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد قرضے بے قابو ہو گئے۔ ۲۰۰۳ء سے سالانہ پانچ سو ارب ڈالر قرضوں کا اضافہ شروع ہوا۔ ۲۰۰۸ء میں یہ دس کھرب ڈالر سالانہ تک جا پہنچا۔ ۲۰۱۰ء میں امریکہ نے سترہ کھرب ڈالر ادھار لیا۔ امریکی معیشت کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب اسے ہر سال اپنی مجموعی قومی پیداوار کے مساوی رقم قرض لینا پڑتی ہے۔ 2001ء میں مائن الیون سے پہلے مجموعی قومی پیداوار اور قرضوں کا تناسب 56 فیصد تھا جو اب بڑھ کر سو فیصد ہو چکا ہے۔ امریکیوں کو ہر سال پانچ سو ارب ڈالر سے زیادہ رقم سود کی مد میں ادا کرنا ہوتی ہے۔ ایک تازہ رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ افغانستان میں امریکہ کے براہ راست جنگی اخراجات ایک سو ارب ڈالر سالانہ سے زائد ہیں۔ یعنی ۹ ارب ڈالر ماہانہ۔

بارک اوباما نے شہنشاہ عالم پناہ کا منصب سنبھالا تو اس کے عزائم کچھ اور تھے۔ فروری ۲۰۰۸ء میں اوباما نے امریکیوں کے ایک پرجوش ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ''خوف کے زیر اثر پالیسیاں بنانا کوئی اچھا دستور العمل نہیں۔ میں زخموں سے چور امریکیوں کو وطن واپس آتے دیکھتے دیکھتے تھک گیا ہوں۔ وہ جو نفسیاتی طور پر بھی زخم خوردہ ہیں اور جسمانی طور پر بھی۔ سب پر واضح ہو جانا چاہیے کہ ہم اربوں ڈالر پھونک کر بھی دنیا کو پہلے سے زیادہ غیر محفوظ بنا رہے ہیں۔ ''یہی اوباما جب قصر سفید نامی آسیب گھر میں داخل ہوا تو اس کی کایا کلپ ہو گئی۔ اسے یقین دلا دیا گیا کہ طالبان کو فیصلہ کن شکست دے کر افغانستان کو ایک مضبوط امریکی اڈہ بنایا جا سکتا ہے۔ وہ انہی اندھی راہوں پر چل نکلا جو آدم خور امریکی حکام نے تراشی تھیں۔ فیصلہ کن یلغار کے لیے اس نے ۳۶ ہزار تازہ دم امریکی فوجی افغانستان بھیجے۔ ان کے لیے 33 ارب ڈالر کا اضافی بجٹ منظور کیا۔ امریکی فوج کے سربراہ نے کہا۔ ''ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ اس یلغار میں کتنے طالبان ہلاک ہوتے ہیں۔''

ایک لاکھ امریکی افواج کے ساتھ، پینتالیس اتحادیوں کے لشکر بھی افغانستان میں خیمہ زن ہیں لیکن خبر ہے کہ امریکہ ہار چکا ہے۔ پسپائی کا محفوظ راستہ مانگنے اور اپنے پٹھوؤں کی جانوں کی ضمانت لینے کے لیے وہ ان طالبان کی منت سماجت کر رہا ہے جن کا لہو پینے کے لیے اس نے کھربوں ڈالر جھونک

دیئے اور جن کو نابود کرنے کی مہم میں اسے گیارہواں برس جا رہا ہے۔ نیٹو کی ایک خفیہ رپورٹ کے بعض اجزا منظر عام پر آئے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ قید کیے گئے طالبان، القاعدہ، عرب ممالک سے آئے مجاہدین اور گرفتار شدہ عام شہریوں کے انٹرویوز سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی پر اعتماد ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ امریکہ رخصت ہو رہا ہے اور آنے والا دور طالبان کا ہوگا۔ رپورٹ کے مطابق کرزئی حکومت کے کل پرزے بھی طالبان سے رابطے کر رہے ہیں اور امریکیوں کے انخلاء کے ساتھ ہی وہ بھی طالبان سے جا ملیں گے۔ عام شہری طالبان کی حکومت کو موجودہ بدعنوان، نااہل اور عوام دشمن نظام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ چار ہزار قیدیوں سے کیے گئے 27000 انٹرویوز پر مشتمل نیٹو رپورٹ نے امریکیوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ خود فریبی کے جال سے نکلیں اور اس حقیقت کا سامنا کریں جسے وہ گیارہ برس سے نظر انداز کر رہے تھے اور جو صدیوں سے افغانستان کے کوہساروں پہ کندہ ہے۔

اس سال کا بجٹ پیش کرنے سے قبل پاکستان نے اکنامک سروے آف پاکستان کے ذریعے باضابطہ طور پر قوم کو آگاہ کیا تھا کہ اس بے چہرہ جنگ میں پاکستان ۶۸ ارب ڈالر پھونک چکا ہے۔ ڈالر کے موجودہ ریٹ کے مطابق یہ رقم 6100 ارب روپے سے زائد ہے۔ یاد رکھیے کہ ہم صرف اس لیے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں کو ۳۰۰ ارب روپے ادا نہیں کر سکتے۔ طالبان اور افغان عوام کے خلاف امریکہ کا دست و بازو بن جانے کے اقدام کو میں ڈالروں اور روپوں کے پیمانے سے نہیں ماپتا یہ ایسی زیاں کاری ہے جس نے ہماری تہذیبی، اخلاقی، مذہبی، قومی، تاریخی اور انسانی اقدار و روایات کی بنیادیں تک ہلا دی ہیں۔ ہمیں وہ کچھ بنا دیا گیا ہے جس کے تصور سے بھی گھن آتی ہے۔

گزر جانے والی شب میں دیر تک سوچتا رہا کہ کھربوں ڈالر پھونک کر، لاکھوں افراد کا خون ناحق اپنی گردن پر لے کر، اپنے ہزاروں فوجی اس بے ننگ و نام بھٹی میں جھونک کر، امریکی نسلوں کو چالیس کھرب ڈالر کے نئے قرضوں میں جکڑ کر اور زمانے بھر کی رسوائیاں سمیٹ کر، امریکہ نے گھنی ڈاڑھیوں، بھاری پگڑیوں اور لمبی عباؤں والے قبیلے کا کیا بگاڑا ہے؟ ملا محمد عمر کی ڈاڑھی کے کچھ بال ضرور سفید ہو گئے ہوں گے لیکن کیا وہ گیارہ سال پہلے سے کہیں زیادہ سرکشیدہ و سربلند نہیں ہے؟ کیا اس نے منوا نہیں لیا کہ موت سے ذرا نہ ڈرنے والے فاقہ کش ہی سرخرو ہوتے ہیں۔

میرے ذہن کی لوح پر قندھار کے پہلو سے گزرتے دریائے ارغنداب کی وہ سانولی سی شام اتر رہی ہے جب ہم نے ملا محمد عمر کی اقتدا میں مغرب کی نماز پڑھی تھی اور اس مرد قلندر نے بڑی سادگی سے کہا تھا۔ ”ہمیں صرف اپنے اللہ پر بھروسا ہے“۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

مجھے بیٹا چاہیے بس!

سلیم رؤف

قسط 3

پھر اس پر غمزدہ یا پشیمان ہونے کی بجائے وہ فخر کا اظہار کرتے۔ اس رسم بد کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلے پر ان کے دشمنوں نے شب خون مارا اور ربیعہ قبیلے کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کر لے گئے۔ جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہوئی تو لڑکی کو بھی واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دے دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے یا چاہے تو اسیری میں جس کے ساتھ رہتی تھی اس کے پاس واپس چلی جائے۔ اس نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو اس کو زندہ دفن کر دیا جائے تاکہ آئندہ ایسی رسوائی نہ ہو۔ آہستہ آہستہ دوسرے قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کرتا گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔

o عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوتی تھی۔ بچیوں کو پالنا، جوان کرنا، پھر ان کی شادی کرنا، وہ اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے اور اسی لیے ان کو بچپن ہی میں ٹھکانے لگا دیا کرتے۔

o قبائل میں ایک دوسرے کا خون بہانا روزمرہ کا معمول تھا۔ لڑکے جوان ہو کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ لڑکیاں لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور پھر دشمن ان کی بیٹیوں کو اٹھا کر لے جاتے اور بازاروں میں فروخت کر دیتے، اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبال سمجھتے۔ چنانچہ کئی دفعہ مائیں خود بچیوں کو زندہ دفن کر دیتیں۔ بچے کی پیدائش کے وقت ماں کے قریب ہی ایک گڑھا کھود دیا جاتا اگر بچی ہوتی تو ماں خود ہی اُسے گڑھے میں گرا دیتی اور اوپر مٹی ڈال دی جاتی۔

o ان کا جاہلانہ اکڑ پن بھی اس کا ایک سبب تھا۔ وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین تصور کرتے تھے۔ اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ نہ بچی زندہ رہے..... نہ اسے بیاہا جائے..... اور نہ کوئی ان کا داماد بنے۔

وجوہات اگرچہ مختلف اور متعدد تھیں لیکن یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہلی معاشرے میں اپنے پنجے گاڑ چکی تھی..... عام طور پر اسے کوئی معیوب چیز یا ظلم نہ سمجھا جاتا..... وہ سمجھتے باپ اپنی اولاد کا مالک کُل ہے..... چاہے اسے زندہ رکھے چاہے قتل کر دے..... کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ تھا..... ماں باپ کو اس پر شرم آتی نہ

خاندان میں کوئی ان کو ملامت کرنے والا تھا..... اور نہ ہی معاشرے میں کوئی اس پر گرفت کرنے والا تھا..... لیکن بہن! اللہ مالک الملک اور غفور الرحیم سے یہ بات برداشت نہ ہوئی اور میرے اللہ مالک الملک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۃ تکویر ۸-۹)

اور جب زندہ گاڑھی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی تھی؟

بہن! ذرا غور کرو ان آیات کے انداز بیان میں کیسی شدید غضب ناکی پائی جاتی ہے..... جس سے زیادہ سخت غضب ناکی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا..... یہ نہیں فرمایا کہ اس کے سنگدل باپ سے پوچھا جائے گا..... کیونکہ یہ باپ جس نے اپنی بے گناہ بچی پر ایسا ظلم کیا..... نگاہِ خداوندی میں ایسا قابلِ نفرت ہوگا اور اس قابل بھی نہ ہوگا کہ اس سے خطاب کیا جائے..... یا منہ لگایا جائے۔

بہن! غصے اور ناراضگی کی انتہا ہے کہ اس ظالم باپ کو مخاطب کے درجے سے ہی گرا دیا گیا..... پھر اس میں ایک اور حکمت بھی ہے..... وہ یہ کہ دنیا میں کئی مظلوم جنہیں ظلماً قتل کر دیا جاتا ہے..... ان کا انتقام لینے کے لیے کئی تلواریں بے نیام ہو جاتی ہیں..... یا کم از کم ان کی مظلومیت پر رنج و غم کے آنسو تو بہائے جاتے ہیں..... جبکہ یہ ایک ایسی مظلومہ تھی جس پر ظلم اس کے ماں باپ نے کیا..... اس کی مظلومیت پر کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کیا..... اس کی جواں مرگی پر کوئی آنکھ نم ناک نہ ہوئی..... بلکہ الٹا اطمینان کا سانس لیا گیا..... اس کے قاتل پر پھول نچھاور کیے گئے اور اسے غیرت مند اور خاندان کی ناموس کے پاسبان کا خطاب ملا۔

''بہن! کیا مظلومیت میں اس کا کوئی ہمسر ہے.....؟ اگر ایسی معصوم، ستم رسیدہ بچی کی دل جوئی اس کا رب بھی نہ کرے تو اور کون کرے گا.....؟ پھر اس میں قیامت کے برپا کرنے کی حکمت کی ایک صریح دلیل بھی پیش کی گئی ہے..... تم خود سوچو اگر قیامت برپا نہ ہو تو کیا اس مظلومہ کی دادرسی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے.....؟ کیا ایسے ظالم کو سزا دینا ممکن ہے.....؟ اگر اتنا بڑا ظلم..... دلوں کو لرزا دینے والا ظلم بھی..... محاسبہ سے بچ جائے تو اس سے بڑی اندھیر نگری اور کیا ہو سکتی ہے.....؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہے، انصاف ہے..... اندھیر نگری اور جور و ستم نہیں، پھر عقل بھی یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ آخر کبھی تو ایک ایسا وقت آنا چاہیے جب اس کے والدین کے اس بے جا ظلم کی باز پرس کی جائے.....؟

☆☆..... جاری ہے..... ☆☆

شکر گزاری میں جو لطف مضمر رکھا گیا ہے اس کا شکر گزار کو علم نہیں۔ (القرآن)

یہ طبقاتِ مجاہدین آج دنیا کے ہر خطے میں قریباً ایک سی کیفیت سے دوچار ہیں۔ ان کا تعلق خواہ کسی رنگ، نسل، زبان سے ہو یہ آج مقہور ہیں اور اسلام کے محافظ ہونے کی وجہ سے دنیائے کفر کا سب سے بڑا ہدف بھی یہی ہیں۔

یہ اس دور کے وہ اجنبی مسافر ہیں جنہوں نے عرب وعجم کی بستیوں سے کوچ کیا۔ صحراؤں، بیابانوں اور جنگلوں کو اپنا مسکن بنایا۔ جہاد کو کسی جغرافیائی ضرورت یا قومی مقصد کے بجائے ایک عبادت اور عقیدے کے طور پر پہچانا۔ اس کی فرضیت پر دل سے ایمان لائے اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کی۔ اسلاف کی طرح اسے اپنی زندگی کا طریق بنایا۔ مغرب کی کفری تہذیب کو، بغیر اس سے کوئی دلیل مانگے مسترد کیا اور اس کے سرمائے پر لکھے ہوئے تین حروف ''ک ف ر'' کو کافی دلیل جانا۔ کوہ ہندوکش کو سرخ ریچھ کے پنجوں سے نکالنے کے لیے اور اسلامی شریعت کو اس زمین پر نافذ کرنے کے لیے انہی سرفروشوں نے اپنا خون دیا۔ کوہ قاف کے شہزادے اسی قافلے کے ہم رکاب ہو کر ابدی جنتوں کے سفر پر روانہ ہوئے۔ کوہ ہمالیہ کے پڑوسی اہلِ حمیت نے جہاد کے ان کرداروں سے درسِ شجاعت لیا۔ کوہ احد کے پہلو میں سوئے ہوئے شہیدوں کے وارثوں نے ''میں ضرور بالضرور جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال کر دم لوں گا یہاں تک کہ مسلمانوں کے سوا یہاں کسی اور کو نہ چھوڑوں گا''..... کے فرمانِ نبوی ﷺ کے لیے اپنی گردنیں پیش کر دیں۔ پھر اسی میدان کے شہسواروں نے مسجد اقصیٰ کے گرد سرد پڑی جہاد کی بجھتی کو اپنے لہو کے شعلوں سے گرم کیا اور آج یہی غربا اپنی عظمتِ رفتہ کی یادگار دارالخلافہ بغداد کے کارزار کو گرم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اس دور کے ''اَلغُرَبَاءُ مِنَ القَبَائِل'' ہیں، اس قافلۂ بہار کے راہی ہیں جس میں مالک نے پوری امت کا عطر کشید کر کے جمع کر دیا ہے۔ اسلام کے ہر مورچے میں یہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان کے لہو کی سرخیاں درمیان میں حائل نہ ہوتیں تو امن کی کتنی بستیوں تک فرعونیوں کے لشکر پہنچ چکے ہوتے۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی یہ

اپنوں میں غیر ہیں، انجان ہیں۔ کیا آرام کی نیند سونے والے جانتے نہیں کہ یہی ہیں جنہوں نے اعدائے ملت کو شرق و غرب کے محاذوں پر روکا ہوا ہے۔ ملت کے ہر خاص و عام کو یہ ماننا ہوگا کہ فلپائن سے فلسطین تک، عیشان سے کشمیر تک اور افغانستان سے عراق تک کے مورچوں میں بیٹھ کر دشمن کو پچھاڑنے والے یہ مجاہدین ان کے عظیم محسن ہیں۔

بے شک یہ کہنا غلو ہوگا کہ اسلام کے خدمت گزار صرف یہی ہیں..... لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ اگر یہ نہ رہے تو اسلام کے بہت سے خدمت گزاروں تک کفار کے ہاتھ بآسانی پہنچ جائیں گے۔ یقیناً اسلام کی حفاظت کی جنگ آج علم و عمل کے بہت سے مورچوں میں لڑی جارہی ہے..... لیکن اس میں بھی تو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اگر یہ جانثار اپنے مورچوں سے ہٹ گئے تو باقی سارے مورچوں کا نقشہ بھی بدل جائے گا۔ ان میں سے کتنے وہ ہیں جنہوں نے اپنے جسموں کو ہواؤں میں تحلیل کر دیا اور سر کی آنکھوں سے اپنے عمل کے نتائج تک نہ دیکھ سکے، صرف اس لیے کہ دکھوں کی ماری امت کو ٹھنڈک بھری ایک شام میسّر آسکے۔ کیا اُمتوں کی زندگی میں کبھی ایسا وقت نہیں آتا جب اپنی جان، مال، آبرو کا دفاع ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے؟ ان سرفروشوں نے اپنے عمل سے وقت کے اسی تقاضے پر لبیک کہا ہے، لہٰذا ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ ہم اسلام کے غلبے اور دفاع کی خاطر اٹھنے والے ان غیر مانوس لوگوں کی مدد کریں۔ تاریخ کبھی مسلمانوں کو معاف نہیں کرے گی، اگر انہوں نے ان مجاہدین کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ان کی مدد مستضعفین کی مدد ہے، دین و دنیا کو تہس نہس کر دینے والے دشمن (عدوّ الصائل) کے خلاف خود اپنا دفاع ہے اور اگر دفاع کی یہ ''دیوار'' مسلمانوں کے راستے سے ہٹ گئی اور ہم اس کے گرنے کا تماشا دیکھتے رہے تو پھر ایک سیلاب ہوگا اور ہر ایک بلدِ اسلام اس کے سامنے تنکوں کی طرح بہ جائے گا۔ شیش محلوں کے باسیوں، جاگیرداروں، کارخانہ داروں، تاجروں، بچوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں ..... کسی سے بھی وہ سیلاب دور نہیں رہے گا۔ تاریخ کا سبق یہی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وعیدیں ایسی ہی ہیں:

''جو شخص بھی کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دے جہاں اس کی حرمت پامال اور عزت مجروح کی جارہی ہو تو اللہ بھی اس کو کسی ایسی ہی جگہ پر بے یار و مددگار چھوڑ دے گا جہاں یہ چاہے گا کہ اس کی مدد کی جائے اور جو شخص بھی کسی مسلمان کی کسی ایسے موقع پر نصرت کرے گا جہاں اس کی عزت مجروح اور حرمت پامال کی جارہی ہو، تو اللہ کسی ایسی ہی جگہ پر اس کی نصرت فرمائے گا جہاں یہ

عاقلوں کی صحبت اختیار کرو، یہ مشکل وقت میں تیری مدد کریں گے۔

چاہے گا کہ اس کی مدد کی جائے"۔

اس دین نے غالب اور فتح یاب تو ہونا ہے اور اس بارے میں قرآن وسنت میں ہم سے سچے وعدے کیے گئے ہیں۔ تاہم یہ بات کہ یہ فتح ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ پائیں گے یا نہیں تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ عزوجل کی جانب سے سید اولادِ آدم رسول اللہ ﷺ کو بھی بار بار بتادی گئی تھی کہ ضروری نہیں کہ وہ یقینی فتح اور غلبہ جس کا اللہ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے آپ ﷺ اپنی زندگی میں بھی دیکھ سکیں بلکہ یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم یہ سچا وعدہ دکھانے سے پہلے آپ ﷺ کو دنیا سے لے جائیں یا اس کے بعد۔ "پس آپ صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اب خواہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) آپ کو دکھلا دیں یا اس کے نزول سے پہلے ہی آپ کو وفات دے دیں، پلٹ کر آنا تو انہیں ہمارے ہی پاس ہے"۔

پس اصل فتح اللہ کے دین کی فتح ہے جس کے وعدے اہلِ ایمان سے بہت واضح طور پر کیے گئے ہیں، تاہم فرد کے لیے دونوں صورتوں میں کامیابی ہے، فتح میں بھی اور شہادت میں بھی! یہی بات اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو سکھائی تھی۔ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبۃ ۹:۵۲)

"ان سے کہو کہ تم ہمارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے"۔ بظاہر شہادت دشمن سے جسمانی مغلوبیت اور ابتلا کی ایک صورت ہے، لیکن مالک اس کو "بھلائی" قرار دے تو بندے کو کیوں یہ بھلائی پسند نہ ہو؟ اور اگر بندہ بھی وہ ہو جس کے پاس سب سے بڑھ کر خالق کی معرفت ہو، جو کل جہاں سے زیادہ دنیا کی حقیقت اور آخرت کے اجر سے واقف ہو، جس سے بڑھ کر جنت کا کوئی حریص زمین پر نہ گزرا ہو، پھر تو یہ اسی لائق ہے کہ وہ اپنے رب سے ایک نہیں بار بار کا کٹنا مانگے، بار بار کا اٹھنا مانگے۔

گھریلو ٹوٹکے

☆ کچا کیلا کاٹنے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اسے کالا ہونے سے بچانے کے لیے دہی کا پانی اس پر چھڑک دیں۔ سیاہی مائل نہیں ہو پائے گا۔

☆ کیک کو بیکنگ ٹرے میں ڈالنے سے قبل اس پر چکنائی لگا دیتے ہیں۔ اگر چکنائی لگانے سے پہلے ٹرے میں خشک آٹے کو چھڑک دیں تو بعد میں کیک آسانی سے ٹوٹے بغیر ٹرے سے باہر آجائے گا۔

☆☆.....☆☆

تحمل و برداشت

عبدالسمیع

بیٹے نے اپنے دوستوں کے ہمراہ باپ کا گلا گھونٹ دیا۔ شوہر نے نئی نویلی دلہن کو چھری کے وار سے قتل کر دیا۔ پسند کا رشتہ نہ ملنے پر نوجوان نے خودکشی کر لی۔ فاقے کے ستائے ہوئے بچوں کو باپ نے بیچنے کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح کی سرخیاں آئے روز اخبار کی زینت بنتی ہیں۔ اس طرح کی خبریں پڑھنے کے بعد جہاں پاکستانی معاشرے کی سفاکی، ظلم اور جبر کا پتا چلتا ہے وہیں اس طرح کی خبریں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں ہمارے معاشرے میں تحمل اور برداشت نام کی کوئی چیز نہیں۔ جہاں یہ واقعات پوری دنیا میں ہماری جگ ہنسائی کا ذریعہ بنتے ہیں اور مسلمانوں کے امیج کو خراب کرتے ہیں وہیں یہ واقعات مسلم معاشرے کی روح، بنیاد اور اساس کے بھی خلاف ہیں۔

ان واقعات کے اصل محرکات کیا ہیں؟ کون کون سے عناصر ان میں کارفرما ہیں اور کن وجوہات کی بنا پر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں؟ تعمق اور گہرائی میں جا کر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کی اصل وجہ عدم برداشت ہے۔ عدم تحمل ان واقعات کو وجود بخشتا ہے۔ تحمل اور برداشت نہ ہونے کی وجہ سے ایسے واقعات حصۂ شہود پر نمودار ہوتے ہیں۔

''اسلام'' تحمل، بردباری اور برداشت کا درس دیتا ہے۔ خرید و فروخت ہو یا لین دین، دکھ درد ہو یا شادی بیاہ، اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں تحمل کا درس دیتا ہے۔ یہ درس تقاضائے عقل کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ معاشرہ افراد سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ معاشرے میں ہر قسم کے افراد پائے جاتے ہیں۔ ان افراد کی بود و باش، رہن سہن، رسومات اور طور طریقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ افراد کی ان اکائیوں میں اختلاف کا ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے اسلام نے اپنے متبعین اور پیروکاروں کو برداشت کرنے کا درس دیا ہے تاکہ معاشرہ امن، محبت اور اخوت کے زیورات سے مزین ہو۔

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ طلاق بوقت ضرورت دی جائے۔ طلاق دینا اسلام کی نظر میں محبوب نہیں۔ جب کسی طرح بھی نباہ مشکل ہو جائے تو طلاق دینے کی گنجائش ہے لیکن ہمارے معاشرے میں طلاق کی شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے جہاں اعلیٰ اختلاف کے حامل لوگوں سے پالا پڑتا ہے، وہاں اخلاق سے عاری، تہذیب سے دور اور کج خلق افراد سے بھی قدم بقدم

واسطہ پڑتا ہے۔ جہاں ریشم کی طرح نرم رفیق ہوتے ہیں، وہاں لوہے کی طرح سخت رقیب بھی ہوتے ہیں۔ شائستگی سے مزین اور مرصع لوگ جہاں ہم سفر بنتے ہیں، ناشائستہ انسان بھی ہم رکاب ہوتے ہیں۔ معاشرتی اقدار سے قریب اور دور تمدن کے آثار سے واقف اور ناواقف، اکرام واعزاز سے بلد اور نابلد تمام افراد سے تحمل اور برداشت کا رویہ اپنانا وقت کا تقاضا ہے۔ اگر میاں بیوی غصہ کے وقت تحمل کے دامن کو تھامے رکھیں تو مرد کو "طلاقی" اور عورت کو "مطلقہ" کا بدنما داغ نہ لگے۔ اگر طیش کے وقت بیٹا برداشت سے کام لے اور باپ کے سر جھکا دے تو اس کے نام کے ساتھ "نافرمان" کا سابقہ یا لاحقہ نہ لگے۔ اگر شاگرد استاذ کے تیز وتند جملوں کو برداشت کر لے اور اس کا جواب نہ دے تو جہل کی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ الغرض تحمل اور برداشت ایسا تریاق ہے جس میں مسائل کا حل بھی ہے اور باعث عزت ووقار بھی۔

آج کی زندگی میں تحمل نامی چیز عنقا ہے۔ صبر اور برداشت ثمر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ہنس کر طنزیہ کلام اور جملوں کو نظر انداز کرنے کی عادت ختم ہو چکی ہے۔ ہر شخص "جواب ترکی بہ ترکی" کا عملی مصداق بن چکا ہے۔ نتیجہ کے طور پر محرومیاں، ناکامیاں ہمارا مقدر بن گئیں۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نامرادیاں اسی کا شاخسانہ ہیں اور جانے اس سے آگے کیا تاریخ رقم ہوگی؟

اس ناکامی اور نامرادی سے نکلنے کے لیے ہمیں تحمل اور برداشت کو فروغ دینا ہوگا۔ یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ہماری انفرادی زندگی میں برداشت کا عنصر موجود ہو۔ جب میاں بیوی ایک دوسرے کی کڑوی کسیلی برداشت کریں۔ جب بچے والدین کے سخت جملوں کا جواب ہنس کر دیں۔ جب بہن بھائی آپس کی رنجشوں کو پنپنے کا موقع نہ دیں۔ جب برادری اور علاقے والے زبان کے نشتروں کو دل میں جگہ نہ دیں۔ تب ان افراد کے مجموعے سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا، اس میں خوشحالی ہی خوشحالی ہوگی۔ اخوت اور بھائی چارے کی فضا عام ہوگی۔ عدم تحمل اور عدم برداشت قتل، مار دھاڑ اور ایذا رسانی کی جڑ ہے، ویسے ہی عدم مساوات، ظلم اور غیر انسانی رویوں کی اصل وجہ ہے۔ برداشت ہی سے ناحق قتل کا سدباب ہوگا اور ان جیسے خونچکاں واقعات کی روک تھام ہوگی۔ یہ واقعات جہاں ہمارے لیے باعث تشویش ہیں، وہاں یہ غیر مسلم اقوام کے اسلام لانے کے لیے باعث رکاوٹ ہیں۔ ہیں ایسے لوگ جو کسی مصلحت اور مفاد کے شکار ہوئے بغیر تحمل اور برداشت کو فروغ دیں؟ اگر ایسے لوگ ہیں تو بہتری کی اُمید رکھی جا سکتی ہے ورنہ ان واقعات کے شعلے ہمارے گھروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔ .....☆.....

اگرچہ موت کا دن مقرر ہے لیکن تو اذہوں کے منہ میں نہ جا

مولانائے روم

محمد ریاض پنجوانی

ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت جس کی شہرت نے آسمان کی بلندیوں کو چھو لیا

ان کا نام جلال الدین، لقب اور شہرت مولانائے روم ہے۔ ان کے والد کا نام بہاء الدین اور ان کا وطن بلخ تھا۔ مولانا پر بچپن ہی سے سعادت مندی کے آثار نمایاں تھے۔ مولانائے روم کی ولادت ۶۰۴ ہجری میں بلخ میں ہوئی تھی۔ مولانا نے کئی علوم وفنون میں تعلیم حاصل کی اور اپنے والد کی حیات تک ان ہی کی خدمت میں حاضر رہے۔ والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ ہجری میں شام کا قصد کیا۔

مولانائے روم اپنے دور کے اکابر علما میں سے تھے۔ فقہ اور مذہب کے بہت بڑے عالم تھے۔ دیگر علوم میں بھی مولانا کو دستگاہ حاصل تھی۔ دورانِ طالب علمی ہی میں پیچیدہ مسائل میں علمائے وقت مولانا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ والد کی وفات کے بعد مولانائے روم نے اپنا روحانی تعلق سید برہان الدین سے قائم کرلیا تھا، چنانچہ مثنوی میں انہوں نے ان کا تذکرہ اپنے پیر ومرشد کی حیثیت سے کیا ہے۔

مثنوی کی شہرت اور مقبولیت: ایران کی چار کتابوں کو جس قدر شہرت حاصل ہوئی وہ ایرانی کتب میں سے کسی کو حاصل نہ ہوسکی۔ شاہنامہ فردوسی، گلستانِ سعدی، دیوانِ حافظ، مثنوی مولانائے روم۔ ان میں سے بھی مثنوی کو جو قبولِ عام حاصل ہوا وہ کسی اور کتاب کو نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فاضل علما نے جس قدر مثنوی کی طرف توجہ کی اور کسی کتاب کی طرف نہ کی۔ اس مثنوی کی بڑی بڑی ضخیم شرحیں لکھی گئیں۔ کلید مثنوی کے نام سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کئی دفتروں کی شرح شائع ہوچکی ہے۔ مولانائے روم ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ ہجری کو مغرب کے وقت راہی ملکِ عدم ہوئے اور قونیہ کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔ مولانائے روم کی مثنوی معنوی نے مولانا کو حیاتِ جاوداں عطا کی ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی کہ تمام ایرانی تصانیف اس کے مقابلے میں ہیچ ہو کر رہ گئیں۔ اس مثنوی کے اشعار کی کل تعداد ۲۶۶۶ ہے۔ کسی شاعر نے مثنوی معنوی کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

مثنوئ معنوئ مولوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

☆☆.....☆☆.....☆☆

نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ (القرآن)

طلباء کا اعزاز

ادارہ

آل پنجاب مقابلہ خطاطی میں جامعہ اشرفیہ شعبہ حفظ و ناظرہ کے طلباء نے کیا کیا پوزیشنیں حاصل کیں۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کا شعبہ حفظ و ناظرہ اس وقت اپنے محاسن و کمالات کے باعث انتہائی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

شعبہ حفظ و ناظرہ کا نظم و نسق قابل دید اور نظام تعلیم انتہائی معیاری ہے۔ شعبہ حفظ و ناظرہ کے علاوہ شعبہ کمپیوٹر، شعبہ خطاطی میں بھی طلباء مہارت حاصل کر رہے ہیں۔

حال ہی میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے زیر انتظام انٹرنیشنل بک فیئر کے موقع پر ایکسپو سنٹر میں منعقدہ مقابلہ آرٹ اینڈ کیلیگرافی میں پہلی چار پوزیشنیں جامعہ اشرفیہ کے شعبہ حفظ و ناظرہ کے طلباء نے حاصل کیں۔ (حالانکہ اس مقابلہ و دیگر مقابلوں کے متعلق جامعہ خذا کو بروقت آگاہ نہیں کیا گیا انتہائی مختصر وقت میں طلباء صحیح طور پر مقابلے کے لیے تیار بھی نہ ہو سکے تھے) اور ان کی خوشخطی دیکھ کر تمام مہمان و دیگر شرکاء حیران و ششدر رہ گئے اور جامعہ اشرفیہ کے طلباء نے آرٹ اینڈ کیلیگرافی مقابلے کا میدان مار لیا۔ جن میں بالترتیب رضوان اللہ بن نعیم نے پہلی پوزیشن۔ محمد سمیر خالد نے دوسری پوزیشن، محمد وقاص اصغر اور محمد منیب ضیاء نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ان طلباء کو انعامات اور سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔ اگر جامعہ خذا کو ان مقابلوں کے متعلق بروقت آگاہ کیا جاتا تو ہمیں امید ہے کہ دیگر مقابلوں میں بھی جامعہ کے طلباء اپنا سکہ بٹھاتے۔

طلباء کی اس کامیابی کو ناظم شعبہ حفظ و ناظرہ حافظ اجود عبید صاحب نے سراہا اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا خاص طور پر شعبہ خطاطی کے استاذ محترم (خطاط) جناب مولانا جنید صاحب جو کہ فن خطاطی کے میدان کے شہسوار ہیں اور انہوں نے بذات خود بھی فن خطاطی میں گولڈ میڈل حاصل کر رکھا ہے نے طلباء پر خصوصی محنت کی ہے جس کی بدولت ان کے شاگردوں نے دیگر اداروں سے حصہ لینے والے تمام طلباء کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اور پہلی تینوں پوزیشنیں حاصل کر کے اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کسی شخص نے کبھی نہیں کھایا (حدیث)

آصف سلطان (سلوتری)

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

تاریخ انسانیت کا مطالعہ کریں تو مختلف لوگوں کی مختلف حکایتیں اور داستانیں دلوں کو گرماتی اور کانوں میں رس گھولتی نظر آتی ہیں۔لیکن بعض لوگ اپنی زندگی کو اس انداز سے گزارتے ہیں کہ دوسروں کے لیے وہ مشعلِ راہ ہوتی ہے۔

ابھی جہاد کی صدا بلند ہی ہوئی تھی کہ بہادر فرخ اپنی حاملہ بیوی کو تیس ہزار دینار تھماتے ہوئے میدان جہاد میں لپک پڑا۔تیس سال گزرنے کے بعد یہ مجاہد اپنے گھر واپس لوٹتا ہے،لیکن کیا دیکھتا ہے کہ مدینہ منورہ کا نقشہ ہی بدلا دکھائی دے رہا ہے۔اپنا مکان شناخت کرنے میں اچھی خاصی دشواری محسوس ہو رہی تھی، وہ دائیں بائیں جاتا پھر واپس ہو جاتا، اپنے مکان کا نقشہ تو معلوم تھا لیکن محلّہ کی جدید عمارات کی وجہ سے اس کو اپنا مکان سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ اپنا خریدا ہوا مکان اور اپنی حوصلہ مند اور فرمانبردار بیوی کو اسی شہر چھوڑ گیا تھا، کیا وہ وفات پا چکی ہے؟یا کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئی ہے؟اور پیدا ہونے والے بچے کا کیا بنا ہو گا؟

بہادر فرخ کھڑے کھڑے اپنے مکان کے محلِ وقوع پر غور کر رہے تھے کہ قریب ہی ایک پرانا گھر نظر آیا،غور کیا تو وہ اپنا ہی مکان محسوس ہوا،دروازہ خستہ تھا،کھول کر داخل ہو گئے،صحن میں قدموں کی آہٹ پا کر نوجوان ربیعہ اپنے حجرے سے باہر نکلے اور سخت وتند لہجہ میں آواز دی،ارے کون ہے؟ارے کون ہے؟اللہ سے خوف کر،بغیر اجازت اندر کیوں داخل ہوا؟

یہ کہہ کر ربیعہ آگے بڑھے اور ان پر حملہ کرنا چاہا تھا کہ ماں اس شور سے اپنے کمرے سے نکلی اور چند ہی لمحات میں اپنے شوہر کو پہچان لیا۔بیٹے سے کہنے لگی ربیعہ آگے نہ بڑھنا یہ تمہارے والد ہیں جو تم کو تیس سال پہلے چھوڑ گئے تھے، یہ سنتے ہی بہادر فرخ آگے بڑھے اور اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگا لیا،اور ربیعہ نے بھی اپنے باپ سے معانقہ کیا اور ان کے ہاتھ چومے۔

سارا گھر خوشی سے مہکنے لگا، پڑوسیوں نے آکر مبارکباد دی، گفتگو رات کے آخر تک

خدا کی یاد عظیم ترین شے ہے (القرآن)

جاری رہی، تیس سالہ مدت کیا کچھ کم تھی جس کا تذکرہ ختم ہو جاتا، غم و مصیبت، راحت و سکون کے تذکرے جاری تھے، اثنائے گفتگو بیوی کو بار بار یہ خیال آتا رہا اگر شوہر نے اس کثیر رقم کے بارے میں دریافت کیا جو چلتے وقت اس تاکید کے ساتھ دے گیا تھا کہ احتیاط و کفایت شعاری سے اس کو خرچ کرنا تو میں اس کا کیا جواب دوں گی؟ جب کہ ساری رقم صاحبزادے ربیعہ کی تعلیم و تربیت پر خرچ ہو چکی ہے۔ اگر میں یہ بات کہہ دوں تو کیا انہیں یقین بھی آئے گا؟ اور کیا تیس ہزار دینار (مساوی اکیس لاکھ روپے) صرف ایک بچے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کیے جاسکتے ہیں؟ میں اس کا کیا جواب دوں گی؟

اس طرح کے مختلف وساوس نے اُم ربیعہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، شوہر نے اس غیر شعوری کیفیت کو محسوس کیا اور اپنی جیب سے چار ہزار دینار نکالے اور پھر اپنی فرماں بردار بیوی کو تھماتے ہوئے کہا کہ یہ رقم اپنی بقیہ رقم میں شامل کر لو جو تمہیں دی گئی تھی۔ لاؤ اس کل رقم سے ہم کوئی بڑا باغ یا زمین خریدیں جو ہمارے مستقبل کے روزگار کا سبب بنے؟

اس تجویز پر عقلمند بیوی نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہیں دیا، فرخ نے اپنی بیوی سے پھر بات دہرائی، اُم ربیعہ کہنے لگیں میں نے اس رقم کو اسی مصرف میں لگایا ہے جس میں لگانا چاہیے، میں بہت جلد اس امانت کو پیش کر دوں گی۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مؤذن نے فجر کی اذان پڑھنی شروع کی، بات ختم ہو گئی فرخ نے طہارت و وضو سے فارغ ہو کر صاحبزادے ربیعہ کو آواز دی، پتا چلا کہ وہ اذانِ فجر سے بہت پہلے مسجد نبوی میں چلے گئے ہیں۔ فرخ جلدی سے مسجد پہنچا، لیکن نماز ختم ہو چکی تھی، اس نے اپنی نماز ادا کرنے کے بعد روضۂ اقدس پر سلام پیش کیا، پھر کیا دیکھتا ہے کہ مسجد نبوی کا ایک بہت بڑا حصہ انسانوں سے پُر ہو چکا ہے، اتنا بڑا علمی حلقہ فرخ نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حاضرین میں عامۃ الناس کے علاوہ بڑی تعداد اہل علم و فضل اور معمر حضرات کی تھی، یہ سب ایک جواں سال شیخ کے اطراف احاطہ کیے ہوئے دو زانوں بیٹھے ہیں اور شیخ احادیث نبوی ﷺ کا درس دے رہے ہیں۔

مجلس پُر وقار طور پر متوجہ ہے، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد لکھنے میں مشغول ہے اور شیخ کے ایک ایک لفظ کو قیمتی موتی کی طرح محفوظ کر رہے ہیں، فرخ کو اس علمی منظر نے بے حد متاثر کیا، چاہا کہ آگے بڑھ کر دیکھے کہ یہ کون شیخ ہیں لیکن لوگوں کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا، جب مجلس برخاست ہوئی تو

دیکھا کہ شیخ موصوف کو رخصت کرنے کے لیے سارا مجمع ٹوٹ پڑا ہے پھر بھی قریب ہونے کا موقع نہ ملا، جب وہ شیخ مسجد نبوی سے باہر ہو گئے تو ایک شخص سے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟

اس نے بڑے تعجب سے فرخ کو دیکھا اور کہا کیا آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں؟ فرخ نے کہا کیوں نہیں میرا یہی وطن ہے، پھر اس شخص نے پوچھا کیا مدینہ منورہ میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو شیخ کو نہ جانتا ہو؟

فرخ نے کہا مجھے معاف کیجیے میں یقیناً نہیں جانتا، گزشتہ کئی سال سے بیرون وطن تھا کل ہی رات مدینہ منورہ پہنچا ہوں۔ اس شخص نے کہا تو پھر آپ بیٹھ جایئے میں تفصیل سے عرض کرتا ہوں، جس شیخ کے بارے میں آپ دریافت کر رہے ہیں وہ ایک جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے سب سے کم عمر محدث وفقیہ ہیں۔

فرخ نے کہا، ماشاء اللہ، سبحان اللہ کیا عظیم مقام والے ہیں۔ اس شخص نے مزید کہا کہ ان کے شاگردوں میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام یحییٰ بن سعید انصاریؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ اور اسی درجے کے دیگر ائمہ حدیث شریک ہیں۔

اس کے علاوہ یہ شیخ نہایت کریم النفس، سخی القلب، عظیم عادات واطوار کے حامل بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جہاں انہیں اپنے علم وفضل سے نوازا ہے دنیا کی مال وجاہ سے بھی سرفراز کیا، اس کے باوجود شیخ کے زہد وقناعت کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا، فرخ نے کہا شیخ کا نام کیا ہے؟

اس شخص نے کہا "ربیعۃ الرائے" فرخ نے کہا ربیعہ الرائے؟ کہا ہاں! اصل نام تو ربیعہؒ ہے، لیکن مدینہ منورہ اور اطراف و اکناف کے علما انہیں ربیعۃ الرائے کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ شیخ میں فہم قرآنی و حدیث دانی کی اتنی بڑی صلاحیت ہے کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نہیں ملتا تو امام ربیعہؒ سے رجوع کیا جاتا ہے وہ اپنی وہبی فہم و بصیرت سے اس کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں نکال لیتے ہیں، اس قوت اجتہاد کی بدولت ان کو ربیعۃ الرائے کا لقب دیا گیا۔

فرخ نے کہا جناب آپ نے شیخ کا نسب تو بیان نہیں کیا؟ اس شخص نے کہا، ان کا پورا نام ربیعہ بن فرخ ہے، اور کنیت ابو عبدالرحمٰن، یہ جب بطن مادر میں تین ماہ کے تھے ان دنوں ان کے باپ فرخ جہاد بخارا اور سمرقند کی مہم میں حصہ لینے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے، طویل عرصہ ہو رہا ہے معلوم نہیں وہ حیات ہیں یا شہید ہو گئے ہیں۔ یہ تفصیل بیان کر کے وہ شخص روانہ ہو گیا۔ فرخ

کہتے ہیں اثنائے گفتگو میری آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے لیکن اس شخص نے سبب نہ پوچھا، میں اپنے گھر آیا لیکن میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بیوی نے یہ حالت دیکھ کر کہا، خیر تو ہے کیا بات پیش آئی؟

میں نے کہا، عزیز جان! کچھ نہیں سب خیر ہی خیر ہے، میں نے اپنے بیٹے ربیعہؒ کو علم و فضل، عزت و اکرام کے اتنے بلند مقام پر دیکھا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا، میں حیران ہوں کہ میرا بیٹا کتنا عظیم المرتبت ہو چکا ہے کہ بادشاہوں کو بھی یہ عزت نصیب نہ ہوئی۔ عقلمند اور فرماں بردار بیوی نے اپنے شوہر کے اس بے پناہ تاثر کو محسوس کیا اور ماحول کی اس زرخیزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''جناب! تیس ہزار دینار بہتر ہیں یا بیٹے کی یہ سرمدی عزت و مرتبت؟ فرخ نے کہا، اللہ کی قسم یہ تو کیا دنیا جہاں کی تمام مال و دولت سے کہیں زیادہ بلند اور عزیز تر ہے۔ عقلمند بیوی نے کہا تو بس آپ سن لیں میں نے آپ کی ساری امانت تیس ہزار دینار کو اسی بچے کی تعلیم پر خرچ کیے ہیں، کیا آپ کو یہ پسند ہیں؟ مجاہد فرخ نے کہا بیشک! اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے، تم نے نہ صرف مجھ پر احسان کیا بلکہ ملت اسلامیہ پر احسان کیا۔ دو چار دن کی دنیاوی عزت کیا عزت ہے جس کو زوال آجائے، حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں رکھی ہے۔ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

سخاوت

مال زندگی میں راحت و آسائش پیدا کرنے کے لیے ہے نہ کہ زندگی مال جمع کرنے کے لیے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو نصیحت کی کہ مخلوق کے ساتھ احسان کر، جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا۔ (تجھ کو مال و دولت عطا کی) اگر تو چاہتا ہے اپنے مال و دولت سے فائدہ ہو تو مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ کر، یعنی سخاوت کر جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہے، عطا و بخشش کا درخت جہاں لگا اس کی شاخیں بلندی میں آسمان کو پار کر گئیں۔ اگر تو امید رکھتا ہے کہ اس سخاوت کے درخت کا پھل کھائے تو احسان جتا کر اس (درخت) کو مت کاٹ ڈال۔ اللہ کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھے نیکی کی توفیق دی۔ اگر تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے تو اس کا احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کے لیے چنا۔

(شیخ سعدی کی ''گلستانِ سعدی سے'')

ویلنٹائن ڈے کیا ہے

چودہ فروری کو ویلنٹائن ڈے یوم اظہار محبت کی حیثیت سے بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس کے آغاز کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ لوگ اسے ''کیوپڈ'' (محبت کے دیوتا) اور ''وینس'' (حسن دیوی) سے موسوم کرتے ہیں جو کیوپڈ کی ماں تھی۔ یہ لوگ کیوپڈ کو ویلنٹائن ڈے کا مرکزی کردار کہتے ہیں جو اپنے محبت کے زہر بجھے تیر نوجوان دلوں پر چلا کر انہیں گھائل کرتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں تہوار کے تاریخی پس منظر کو دیکھا جائے تو اس تہوار کا تعلق ''سینٹ ویلنٹائن'' سے جوڑا جاتا ہے۔ اس تہوار کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب رومیوں نے نصرانیت قبول کی اور عیسائیت کے ظہور کے بعد اس میں داخل ہوئے تو تیسری صدی عیسوی میں شہنشاہ کلاڈیس دوم نے اپنی فوج کے لوگوں پر شادی کرنے کی پابندی لگا دی کیونکہ وہ بیویوں کی وجہ سے جنگوں میں نہیں جاتے تھے تو اس نے یہ فیصلہ کیا۔ لیکن سینٹ ویلنٹائن نے اس فیصلے کی مخالفت کرتے ہوئے چوری چھپے فوجیوں کی شادی کروانے کا اہتمام کیا اور جب کلاڈیس کو اس کا علم ہوا تو اس نے سینٹ ویلنٹائن کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور اسے سزائے موت دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ قید کے دوران سینٹ ویلنٹائن کو جیلر کی بیٹی سے محبت ہو گئی اور یہ سب کچھ خفیہ ہوا کیونکہ پادریوں اور راہبوں پر عیسائیوں کے ہاں شادی کرنا اور محبت کے تعلقات قائم کرنا حرام ہیں۔ اسے ۱۴ فروری ۲۷۰ عیسوی کے دن پھانسی دے دی گئی۔ روایت کے مطابق اس دن کی یاد میں محبت کرنے والوں کے درمیان پیار بھرے پیغامات کے تبادلہ کا آغاز ہو گیا۔ یہ ویلنٹائن کی وہ کہانی ہے جو مغرب میں بے انتہا مقبول ہے۔

جب سے یہ تہوار عیسائیوں نے شروع کیا ہے اس میں مقصود محبت زوجیت کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے عشق اور دل کو عذاب میں ڈالنے والی محبت مراد ہے، جس کے نتیجہ میں زنا اور فحاشی پھیلے اور عام ہو، اور اسی لیے کئی مرتبہ عیسائیوں کے مذہبی لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے اس

کے خلاف کام کیا اور اسے باطل قرار دیا اور اسے ختم کیا لیکن انیسویں صدی میں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ چونکہ عشق کا تعلق انسان کے اندرونی جذبہ سے ہے اسی کا استحصال کرنے کے لیے تجارتی کمپنیوں نے ویلنٹائن ڈے کو ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعہ خوب شہرت دی اور دلفریب بنا کر پیش کیا۔ اس دن کھربوں ڈالرز کا فائدہ یہ اپنی مصنوعات محبت کے دیوانوں کو فروخت کر کے حاصل کرتی ہیں۔

انہیں کے زیر اثر دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ اس دن کو بڑے تزک و احتشام سے نشر کرتے ہیں خصوصاً اسلامی ممالک میں براہ راست موسیقی اور گندی تصاویر اور رقص و سرور کی محافل کی کوریج کرتے ہیں جس کی بنا پر بہت سے مسلمان لوگ بھی اس کے دھوکہ میں آنا شروع ہو چکے ہیں۔ اسی لیے پچھلے چند برسوں میں بہت سے مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں میں بھی یہ دن منانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

اس دن ایک خاص قسم کے کارڈ کا تبادلہ ہوتا ہے، جس پر لکھا ہوتا ہے: ''میرے ویلنٹائن محبوب بنو''۔ سرخ گلاب کے پھولوں کا تبادلہ مٹھائیوں، خاص کر سرخ مٹھائیوں اور چاکلیٹ کا تبادلہ ایک دوسرے کو تحائف دینا، تفریحی مقامات پر جانا اور کھانے کی دعوت دینا اس دن کی مناسبت سے عام ہے۔ پہلے محبت قربانی کا جذبہ مانگتی تھی، اب خرچہ مانگتی ہے۔ بدقسمتی سے اسے بھرپور انداز میں منانے والے اس بات سے لاعلم ہیں کہ اسے کیوں منایا جاتا ہے۔ اس دن شہر کی سڑکوں پر عجیب و غریب مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پھولوں کی دکانوں سے پھول اچانک غائب ہو جاتے ہیں، تعلیمی اداروں، بازاروں اور بس اسٹاپ پر منچلے لڑکے لڑکیوں سے چھیڑ خانی کرتے اور پھول پھینکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جب کہ تمام پارکوں اور باغات میں نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور اس دن کے لحاظ سے لڑکیوں نے سرخ لباس زیب تن کیے ہوتے ہیں تا کہ اس دن بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوا جا سکے۔ اب یہ ایک فیشن بن گیا ہے اور ہر کوئی اس فیشن کو اپنانے کے لیے سرگرداں ہے۔ یہ دن سڑک چھاپ عاشقوں کے لیے ایک نعمت بن کر وارد ہوا ہے۔ اب آپ جس سے محبت کرتے ہیں مگر اب تک اظہار کرنے کی جرأت نہیں کر پائے اسے صرف پھول یا پھر ایک سستا سا کارڈ بھیج کر اپنے دل کی آواز اس تک پہنچا سکتے ہیں۔ آگے آپ کے محبوب کی مرضی ہے کہ وہ بہت ساری آفروں میں سے کس کی آفر قبول کرتا ہے۔ اور کتنی مدت کے لیے.....

یہاں اس کا ذکر انتہائی ضروری ہے خصوصاً نئی نسل کے لیے جو ایسے فیشن اختیار

کرتی ہے اور ایسے ایام خوشی سے مناتی ہے۔ جو ہمارے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ اس تہذیب سے بھیجے گئے ہیں جسے دیکھ کر ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ اس تناظر میں اس امر کو ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ مسلم ممالک اور معاشروں پر تہذیب کی جنگ مسلط کر دی گئی ہے چند سال پہلے کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دنیا ''گلوبل ویلج'' ہے۔ گلوبل ویلج کا نعرہ مغرب سے آیا اور مغرب کے پیروکاروں نے اسے پھیلایا جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو ایک تہذیب کے زیر اثر لایا جائے جہاں ایک نظام ہو، ایک تہذیب ہو اور اس کے ہر رسم و رواج کو دوسری تہذیبیں قبول کریں۔ اسے اپنی زندگی کا جزو لازم بنالیں اور اسی منصوبے کے تکمیل کے لیے وہ جد وجہد میں مصروف ہیں۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم احساس کمتری کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ مغرب کی ہر روایت کو اپنا کر فخر محسوس کرتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں ماڈرن اور روشن خیال ہونے کی دلیل مغرب کی تقلید بن گئی ہے۔

ایک طبقہ کی رائے ہے کہ اسلام خوشی منانے سے ہرگز منع نہیں کرتا اس لیے اس دن خوشی منانے میں کوئی حرج نہیں۔ مزید یہ کہ آپ ان کے طریقے مت اپنائیں بلکہ اسلامی طریقے اپنا کر اسلامی انداز میں یہ دن منا سکتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں..... افسوس ہے ان دانشوروں پر، طریقہ بدلنے سے کوئی غلط کام جائز نہیں ہو جاتا۔ اگر خوشیاں ہی منانی ہیں تو کسی اور دن کا انتخاب کر لیجیے، اسی دن منانا ضروری ہے؟ اور کیا خوشی صرف ایک دن کے لیے..... ہمیشہ کے لیے کیوں نہیں؟ اسلام ایک مکمل دین اور ضابطہ حیات ہونے کے ساتھ ساتھ فطری مذہب ہے۔ خوشی اور محبت فطری جذبات ہیں اور اسلام اس کی اجازت بھی دیتا ہے۔ لیکن اس کے اپنے اصول ہیں۔ مسلمانوں کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اسلام کی کسوٹی اور معیارات پر پرکھیں۔ اسلام خوشی اور تفریح سے ہرگز منع نہیں کرتا بلکہ صحت مند تفریح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ویلنٹائن ڈے منانے کا مطلب کفار و مشرکین کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور اسلام کی واضح تعلیمات ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (من تشبہ بقوم فھو منھم)''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا''۔ اب ہر انسان خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کن میں سے ہونا پسند کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہو نگے جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے بعض شعائر اور دینی علامات و عادات میں ان کی

پیروی اور اتباع کریں گے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے:

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بر بالشت اور ہاتھ بر ہاتھ پیروی کرو گے، حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی میں اس میں داخل ہو گے، ہم نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ: کیا یہودیوں اور عیسائیوں کی؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا اور کون؟) امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں روایت کیا ہے۔

یہ تو مذہبی پہلو ہے۔ معاشرتی اور اخلاقی پہلو سے یہ دن جو برائیاں ساتھ لاتا ہے وہ کوئی بھی شریف النفس قبول نہیں کر سکتا۔ مغربی اور غیر اسلامی معاشروں کا جو کلچر میڈیا کے ذریعے نوجوان نسل کے ذہنوں میں یہ دن منانے کی دعوت دیتا ہے، وہ طریقے بھی سکھاتا ہے۔

محبت اور عشق کے خوبصورت پردوں میں جنسی بے راہ روی اس دن کا خاصہ ہے۔ مغربی ملکوں کو چھوڑیئے خود ہندوستان میں اس دن ہونے والی بے حیائی سے تو جانور بھی شرما جائیں۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆.....اچھی باتیں.....☆

☆ ایک چھوٹی سی نیکی، ایک بڑے نیک ارادے سے بہتر ہوتی ہے۔

☆ خطرات کے باوجود زندگی وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی اور احتیاط کے باوجود زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔

☆ ایک لمبی زبان عزت کو چھوٹا کر دیتی ہے۔

☆ نوکر کو اپنا راز بتا دینا اسے نوکر سے مالک بنا دینا ہے۔

☆ جن کو والدین ادب نہیں سکھاتے، انہیں پھر زمانہ سکھاتا ہے۔

☆ توبہ کرنا آسان اور گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

☆ محنت نہ کرنا محتاجی کا باعث ہے۔

☆ جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

☆ قرض لینے اور دینے سے پیسہ اور دوست دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔

☆ حقیر سے حقیر پیشہ بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔

☆ بوجھ اٹھانے والے بیل اور گدھے ایسے انسانوں سے بہتر ہیں، جو انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

☆.....لو اب مسکرالو.....☆

(۱).....استاد شاگرد سے: بتاؤ چائے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ؟

شاگرد: اگر پلانی پڑے تو نقصان دہ ہے اور اگر کوئی مفت پلائے تو فائدہ مند۔

(۲).....کلاس روم میں ایک لڑکے کو دیکھ کر پروفیسر صاحب نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے پچھلے سال تمہارا بھائی اس کلاس میں تھا''۔

لڑکا: نہیں سر! وہ میں ہی تھا، فیل ہونے کی وجہ سے میں دوبارہ کلاس اٹینڈ کر رہا ہوں۔

(۳).....ایک بچہ (دوسرے سے) جسے سنائی نہ دے، اسے انگلش میں کیا کہتے ہیں۔

دوسرا بچہ: کچھ ہی کہہ لو اسے کون سا سنائی دے گا۔

(۴).....مریض: ڈاکٹر صاحب! میرا حافظہ کمزور ہے، دماغ کمزور ہے اور دل کمزور ہے۔

ڈاکٹر صاحب: ٹھیک ہے! دوا لکھ رہا ہوں۔ میری فیس ادا کرو اور کل پھر آنا۔

مریض: ڈاکٹر صاحب!

میری جیب بھی کمزور ہے۔

(۵).....بہن: (اخبار پڑھتے ہوئے)

ایک شخص کنویں میں گر کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

بھائی: بے وقوف کہیں کا، کنویں میں گرا تھا تو پانی سے ہاتھ دھو لیتا۔

(۶).....ایک کنجوس کو بجلی کا جھٹکا لگا! گھر والے دوڑ کر اس کے پاس پہنچے میری فکر چھوڑ دو یہ بتاؤ کتنے یونٹ ہو گئے ہیں۔

(۷).....جوتوں کی سیل لگی تھی ایک دکان پر بورڈ لگا تھا، دو سو روپے والا جوتا، پچاس روپے میں خریدیں، اس سے اگلی دکان پر یہ بورڈ لگا ہوا تھا۔ ''پچاس روپے والے جوتے کی مرمت ہم سے کرائیں''۔

(۸).....مہمان: یہ لڑکا آپ کا کیا لگتا ہے؟

میزبان: یہ میرا دور کا بھائی ہے۔

مہمان: دور کا بھائی! کیا مطلب؟

میزبان: دس بہنوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔

(۹).....بھکاری (شاعر سے) بابا کچھ تو دیتے جاؤ فقیر کو۔

شاعر: نہ چھیڑ دردمندوں کو، نہ جانے دل سے

زیادہ نہ ہنسو زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے

کیا نکلے۔

بھکاری: کیا پتا کوئی سکہ ہی نکل آئے۔

(۱۰)..... استاد: اگر میں یہ کہوں، میں نہاتا ہوں، تم نہاتے ہو، وہ نہاتا ہے، تو یہ اردو گرامر کے اعتبار سے کون سا زمانہ ہوگا۔

شاگرد: خوش ہو کر..... عید کا زمانہ۔

(۱۱)..... مالک (نوکر سے) ''تم کیوں رو رہے ہو، بلی تو میری مری ہے''

نوکر: ''جناب! میں اب دودھ پینے کا الزام کس پر لگاؤں گا۔

(۱۲)..... ایک دوست دوسرے سے: اگر دنیا میں پانی ختم ہو جائے تو.....؟

دوسرا دوست: ''دودھ تو خالص ملے گا''

(۱۳)..... ایوب (نعیم سے) اگر رات کو نیند نہ آئے تو.....؟

نعیم! ''تو پھر چوکیدار کی ضرورت نہیں رہے گی''۔

(۱۴)..... ایک چور نے گھر کے مالک کو جگایا اور پوچھا ''جلدی سے بتاؤ کہ سونا کدھر ہے''؟

گھر کے مالک نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا: پورا گھر خالی پڑا ہے، کہیں بھی سو جاؤ۔

☆..... بوجھو تو جانیں .....☆

(۱)..... ہاتھ نہیں پیر نہیں، پیٹ میں پاؤں۔

(۲)..... ڈبیہ سے نکلا جس نے بھی کھولی، چاندی کا پانی سونے کی گولی۔

(۳)..... نیلے رنگ کی ایک چادر پر لاکھوں جگنو پھیلے ہیں، رات کو جاگتے رہتے ہیں اور دن کو سوتے رہتے ہیں۔

(۴)..... لال گائے کبھی نہ نہائے۔ اگر نہائے تو مر جائے۔

(۵)..... ہاتھ لگے نہ ہاتھ میں آئے۔ بس کانوں سے پکڑی جائے۔

(۶)..... تین حرفوں کا میرا نام، کھانے کے میں آتا کام۔ الٹا سیدھا ایک سمان، نہ میں لڈو نہ میں پان۔

(۷)..... سب کے پاس ہے ایسا خانہ جس میں ہے برسوں کا خزانہ۔

(۸)..... آگ اگل کر شور مچائے جس کو چھو لے وہ مر جائے۔

(۹)..... آپ نے رگ جو ایک دبائی۔ پانی اندھے نے پیا ئی۔

(۱۰)..... روز ہی آئے روز ہی جائے۔ ہر کوئی دیکھے ہر کوئی پائے۔

(۱۱)..... روشنی لے کر آئے تو جان دے کر جائے۔

☆..... جوابات .....☆

(۱) جوتا (۲) انڈہ (۳) ستارے (۴) آگ (۵) آواز (۶) نام (۷) حافظہ (۸) بندوق کی گولی (۹) بلب کا سوئچ (۱۰) رات اور دن (۱۱) موم بتی۔

فرانس کے بعد بلجیئم نے بھی برقع پر پابندی لگادی

بلجیئم کی وزارت داخلہ کے بیان میں کہا گیا ہے کہ آئندہ سال سے برقع، نقاب، حجاب اور ایسے ملبوسات یا دیگر چیزیں جن سے چہرہ نظر نہ آئے کے پہننے پر مکمل پابندی ہوگی۔ بلجیئم کے وزیراعظم نے ایمسٹرڈم میں میڈیا کو بتایا یہ پابندی صرف برقع یا دیگر اسلامی ملبوسات پر نہیں لیکن یہ پابندی چہرہ چھپانے والی ہر چیز پر ہوگی۔ اس سے پہلے فرانس برقع اور حجاب پر پابندی عائد کرچکا ہے اور اب بلجیئم دوسرا ملک ہوگا جو برقع یا نقاب پر پابندی عائد کرے گا۔ واضح رہے بلجیئم کی سترہ ملین آبادی میں سے ایک ملین آبادی مسلمانوں کی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 29 جنوری 2012ء)

ایرانی سائنسدانوں کے قتل کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے: اسرائیلی صدر کا بیان

اسرائیل کے صدر شمعون پیرز نے ایران کے خلاف پابندیوں کے لاحاصل ہونے اور اسرائیل کے پاس تہران کے خلاف یک طرفہ جنگ کی طاقت محدود ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اسرائیل کے اتحادیوں سے اپیل کی ہے کہ ایرانی سائنسدانوں کے قتل کا سلسلہ جاری رکھیں۔ انہوں نے ایران پر مزید سخت پابندیاں عائد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

ایران کے وزیر دفاع بریگیڈیر جنرل احمد وحیدی نے کہا ہے کہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کی چونتیسویں سالگرہ کے موقع پر دس قسم کے دفاعی، فضائی اور میزائلی ساز و سامان کا افتتاح کیا جائے گا جو ایرانی سائنسدانوں نے بنائے ہیں۔ ترکی اور روس نے کہا ہے کہ ایران کے خلاف اپنی سرزمین استعمال نہیں ہونے دیں گے۔

(روزنامہ پاکستان 29 جنوری 2012ء)

کے ای میڈیکل یونیورسٹی میں طالبہ کو حجاب لینے کی وجہ سے کلاس سے نکال دیا

لاہور میں واقع کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی میں ایک پروفیسر نے ایک پردہ دار طالبہ کو حجاب کی وجہ سے کلاس سے باہر نکال دیا۔ دیگر طلبہ نے اس گھناؤنے فعل پر سخت احتجاج کیا ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس 29 جنوری 2012ء)

برطانیہ میں مسلمان پائلٹ کو برطرف کردیا گیا

مائن ایون طرز کے حملے کے خدشے کے پیش نظر برطانیہ میں مسلمان پائلٹ کو برطرف کردیا گیا۔ برطانوی مسلمان پائلٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ اسے اس کے مذہب، پاکستانی طرز کا نام رکھنے اور بھائی کے بنیاد پرست گروپ حزب التحریر کے ساتھ تعلق کی وجہ سے نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔ وہ برطانوی کمپنی کے خلاف نسل پرستی اور مذہبی تعصب پرستی پر دعویٰ دائر کررہا ہے جبکہ اسے ایک مبینہ دہشت گردی کے منصوبے میں گرفتار کیا گیا ہے، ان رپورٹس کے مطابق پائلٹ ایئر کرافٹ کو تباہ کر کے خاصا نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں تھا۔

(روزنامہ جنگ 30 جنوری 2012ء)

پاکستان میں موبائل فون کا استعمال

پاکستان کا شمار ایسے ممالک میں ہوتا ہے جہاں ہر طبقے میں موبائل فون کا استعمال عام ہے اور پاکستان دنیا میں موبائل فون استعمال کرنے والے دس ملکوں میں آٹھویں نمبر پر ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں گیارہ کروڑ گیارہ لاکھ موبائل کنکشن استعمال کیے جارہے ہیں۔ پاکستان کی چھیاسٹھ فیصد آبادی موبائل استعمال کر رہی ہے۔ نئی نسل کی تعلیم اور اخلاق کو موبائل فون بری طرح متاثر کررہا ہے لیکن حکومت یا معاشرے کو اس کی کوئی خاص فکر نہیں ہے۔

(روزنامہ جنگ 24 جنوری 2012ء)

ناروے: ملعون اخبار پر حملے کی منصوبہ بندی کرنے پر دو مسلمانوں کو سزا

ناروے کے دارالحکومت اوسلو کی ایک عدالت نے توہین آمیز خاکے جاری کرنے والے ڈنمارک کے ملعون اخبار پر حملے کی منصوبہ بندی کے الزام میں دو مسلمانوں کو ساڑھے دس سال کی سزا سنادی ہے۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے کے مطابق ناروے کی عدالتی تاریخ میں پہلی بار ''دہشت گردانہ اقدام کی منصوبہ بندی'' کے جرم پر ایسا فیصلہ دیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ 31 جنوری 2012ء)

کابینہ اجلاس میں پہلی بار ملٹی میڈیا ڈیوائس کی مدد سے قرآن پاک کی تلاوت

وفاقی کابینہ کے اجلاس میں ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی رکن کی بجائے ملٹی میڈیا ڈیوائس کی مدد سے قرآن کی تلاوت کی گئی۔ کابینہ کے ارکان کی جانب سے نئی ٹیکنالوجی کے استعمال کو بے حد سراہا گیا۔ وزیراعظم نے سورۃ الرحمٰن کو منتخب کیا جس کے بعد ملٹی میڈیا ٹیکنالوجی کی مدد سے سورہ الرحمٰن کی تلاوت، انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ سنایا گیا۔ تلاوت و ترجمہ کو قاری صداقت کی آواز میں ریکارڈ کیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ 2 فروری 2012ء)